

جلد سبست و ماہی قعدہ ۱۳۵۰ ہجری ۱۹۳۲ء ع ۴

مضامین

۲۲۴-۲۲۲	سید سلیمان ندوی	تذرات
۳۸-۲۴۵	"	رباعی
۲۷۵-۲۶۶	جناب محمد یعقوب صاحب بی ای الکنو	اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل
۲۸۱-۲۷۶	جناب طاہر احمد طہان صاحب شوق سابق ناظم کتب خانہ	"آئینہ نجات"
۲۸۶-۲۸۲	"ع"	پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ
۲۸۸-۲۸۶	"	محقق طوسی
۲۹۰-۲۸۸	"ع ز"	"ہماری بغاوت کے اسباب"
۲۹۳-۲۹۱	"	اخبار علمیہ
۲۹۵	جناب صفی اللہ و احام الملک فاب سید علی حسن خاں	جنون آرزو
۲۹۵-۲۹۰	جناب احسان احمد صاحب بی ای ال ای بی ایگ، غلگڑ	نواسے شعلہ ریز
۲۹۷	جناب دردنا، جمن پوری	دنیائے آرزو
۳۱۴-۲۹۷	مولانا عبد السلام ندوی	"کلیات عزیز"
۳۱۰-۳۱۵	"ر"	مطبوعات جدیدہ

شہنشاہ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو آج ممکن ہے، وہ ہمیشہ ممکن تھا، اور جو آج محال ہے، وہ ہمیشہ محال تھا، اور رہیگا، لہذا یہ تاثر غلط ہو گا۔ یہ محال سمجھا جاتا تھا کہ سینکڑوں میل کی دوری سے کسی کی آواز سن لی جائے، یا اس کی صورت دیکھ لی جائے، مگر یہ محال آج نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہے، پھر ہم آج جس کو محال کہہ رہے ہیں، کیا اعتبار کہ وہ کل بھی محال باقی رہیگا، پھر اپنے کسی دعویٰ کی صداقت اور کسی دوسرے کے قول کے بطلان پر ممکن و محال کہہ کر استدلال کرنا اور اس امکان و استحالة پر اس وثوق سے گفتگو کرنا آیا ہمارے علم کا ثبوت ہے، یا بھالت کا؟



ہم ہر دعویٰ کے انکار و تردید میں نہایت آسانی، مگر پورے یقین کیساتھ یہ کہہ گزرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہے، لیکن یہ کہتے وقت ذہن میں خلاف عقل سے مقصود اپنی عقل کے خلاف ہوتا ہے، اور دعوے کا ابطال اس پر موقوف ہو کہ وہ ہر فرد انسان کی عقل کے خلاف ہو، اور ایسا ثابت کرنا آسان نہیں ہے، پھر کیا یہ انسان کی حماقت نہیں ہے کہ جو بات اس کے پیادہ عقل میں نہ سما سکے، اسکی نسبت یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ تمام دنیا کے مبطل عقل ہے؟



جب تمہارا مخاطب یہ کہتا ہے کہ فلاں بات خلاف عقل ہے، تو تم نہایت آسانی سے یہ اس سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ کیسی عقل کے خلاف ہے، اگر کسی ایک فرد انسان یا ایک محدود جماعت انسان کی عقل کے خلاف ہو تو ہو، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ وہ حقیقت میں خلاف عقل ہے، یا کل افراد انسان کی عقلوں کے خلاف ہو، اور جب تک یہ ثابت نہ ہو، دعویٰ کا انکار و ابطال محال ہے،

نہایت کہ ایسے بر خود غلط عقلا سے زمانہ یہ سمجھتے ہوں کہ جو بات ایک کی عقل میں نہ سما سکے، وہ کسی کی عقل میں بھی نہیں سما سکتی، گویا کہ ان کے نزدیک عقل ایک ایسا معیار ہے، جو ہر انسان کے قبضہ میں برابر ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر انسان کیسا ان ارسطو، بوعلی سینا اور ڈوین ہوتا مگر ایسا کہاں ہے؟ ایک احمق انسان جسکو محال جانتا ہے، عاقل انسان اس کو ممکن سمجھتا ہے، اور اس سے عاقل تر انسان اس ممکن کو واقعہ بنا دینے پر قدرت رکھتا ہے، بعض عقلی مسائل کا کوئی ایک معیار نہیں، بلکہ اس کے سیکڑوں ہزاروں، بلکہ لاکھوں مراتب اور مدارج ہیں، اور ایک دوسرے سے عقل اور اس سے بھی عاقل تر لوگ موجود ہیں، اسی نکتہ کو قرآن پاک نے ان مختصر لفظوں میں ادا کیا ہے، کہ وَفَوَحَّىٰ كُلَّ

ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ، (ہر جانتے والے کے اور ایک جانتے والا) یعنی ہر عالم کے اور ایک عالم، اور ایک عاقل کے اور دوسرا عاقل، اور اس لیے کوئی ایسی چیز جو متفقاً تمام عقول انسانی کے نزدیک قطعاً محال ہو چند منطقی باتوں سے زیادہ نہیں، باقی آپ جن جن کو جلدی سے محال عقلی کہہ بیٹھتے ہیں، یا تو وہ دوسرے سے محال ہی نہیں، یا زیادہ سے زیادہ یہ وہ محال ہیں جسکو اصطلاح میں محالِ عادی (عاوۃ محال) کہتے ہیں،

یہ بات کہ ہر انسان میں عقل کا معیار و مرتبہ متفاوت اور دوسرے سے مختلف اور کم و بیش ہو، بدیہی ہے، اور ہر شخص اسکو جانتا اور مانتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، اور دوسرا سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا، ایک وہ ہیں جو عجیب عجیب آلات ایجاد و اختراع کرتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو ان آلات کو دیکھ کر بھی ان کو کام میں نہیں لاسکتے، پھر یہ کسی حاق ہے کہ جو بات ایک کی عقل میں نہ سما سکتی ہو وہ اسکو ایسا محال تصور کرے کہ اس کی بنا پر بڑے سے بڑا اور دانا سے دانا انسان کی تکذیب کی جاہلانہ جرات کرتا ہے، اور اس کا نام عظم رکھتا ہے،

اس سے بھی آگے بڑھے، نہ یہ کہ عقول انسانی تمام افراد انسانی میں متفاوت ہیں، بلکہ ہر شخص کی عقل اسکی

مختلف عروں میں بھی یکساں نہیں رہتی، اور اکی ہر عمر میں ممکن و محال، اور مخالف عقل موافق عقل کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ ایک کس تجھ کتنے واقعی کمالات کو محالات اور کتنے واقعی محالات کو کمالات میں سے جانتا ہے، اور ان کے لیے روتا ہے اور خدا کرتا ہے، مگر جیسے جیسے اسکی عمر آگے بڑھتی جی، تجربے بدلتے ہیں، اور معلومات بڑھتے ہیں، اس کے ممکن و محال اور عقل کے مخالف موافق ہونے کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں، پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی انسان کی کس عمر کے معیار عقل کا فیصلہ قطعی طور سے حق سمجھا جائے،



اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ہر انسان کی ذہنی کیفیت، ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، ایک وقت جو ملے ہے وہ دوسرے وقت دیندار خدا پرست ہو سکتا ہے، ایک شخص جو آج صرف فطرت اور بچہ کو کارفرما سمجھتا ہے کل وہ ایم پرست بنکر ہر چیز کو فاعل و مؤثر یقین کرنے لگتا ہے، کتنے محمدین جو کل ہر چیز کا انکار کرتے تھے، اور آج وہ کسی دھ سے ایسے بدلے کہ قرون کو جھک جھک کر سجدے کرتے ہیں، اور انسانوں کو خدا کا مرتبہ دینے لگتے ہیں، کل وہ دہمزدی کے غور میں جو کچھ نظر آتا تھا آج غور و افلاس کے آئینہ میں اُن کو پہلے کے بالکل برخلاف نظر آیا، ایک سیاسی کنسٹرکٹور بنکر کل تک جو کچھ سمجھتا تھا آج بیزل بنکر وہ اس کے نامہ خلاف سمجھتا ہے، اور کل ممکن ہو کہ وہ لیبرر بنکر کچھ اور سمجھنے لگے، غرض ہر انسان کے انکار و یقین کا معیار ہر ماحول میں، ہر ذہنی کیفیت میں، ہر اختلاف عمر میں ہمیشہ بدلتا، متغیر ہوتا رہتا ہے، ایک شخص کو کل جو بات محال معلوم ہوتی تھی، وہ آج ممکن معلوم ہوتی ہے، کل جو بیچ نظر آتی تھی وہ آج اسکی نگاہ میں سراسر سخن ہو، پھر کیا یہ ایسا متغیر اور دم بدم بدلتے والا معیار ناقابلِ زوال و ثبوت و یقین کی بنیاد بن سکتا ہو، فَاَنَّى تَوَفَّكُنْ،



مقالہ

رباعی

”سببِ نیل مضمونِ رباعی کی تاریخ و آغاز پر رباعیاتِ حیاتِ حیات کے تعلق سے سپردِ قلم کیا گیا تھا اور جسکو گذشتہ شعبان ۱۳۵۷ھ کی مسلم کاظمی منقذہ فرنگی محل لکھنؤ میں پڑھ کر سنایا گیا تھا“

”سیلان“

فارسی کے اصنافِ سخن میں رباعی گو چار مصرعوں کی مختصر نظم ہوتی ہے، مگر اس کو ذہنِ سندر بند ہوتا ہے بڑے بڑا فلسفہ، خیال، دقیق سے دقیق اخلاقی نکتہ، اور پیچیدہ سے پیچیدہ صوفیانہ مسئلہ جو صفحہ اور دفتر دونوں میں نہیں سماتا، ان دو سطروں میں پورا کپور ادا ہو جاتا ہے،

دقیقہ | رباعی عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی چار دالے کے ہیں، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ یہ چار مصرعوں سے مرکب ہوتا ہے اسلئے اسکو رباعی کہتے ہیں، لیکن محمد بن قیس رازی نے جو سجدی کے معاصرین، مجمع فی معایر اشعار النجم (ص ۹) میں یہ لکھا ہے کہ اہل عرب اسکو رباعی اسلئے کہتے ہیں کہ بحرِ نرج جس میں رباعی کہی جاتی ہے، چار اجزاء سے مرکب ہوتا ہے، اور اسلئے اسکا ایک مصرع عربی میں دو دو جز کا ایک شعر ہو جاتا ہے، اور اس طرح چار مصرعوں میں چار شعر ہو جاتے ہیں، لیکن دولت شاہ کا بیان اس وجہ تسمیہ کی نسبت وہی ہے، جو عام خیال ہے یعنی یہ کہ ”تا فصلاً لفظ دو جہتی را نکتہ دیند، گفتند کہ این چار مصرعے است رباعی می شای گفتن“

رباعی کے دوسرے نام | رباعی کا ابتدائی نام دویتی ہی کہ یہ دو ہم قافیہ بیتوں سے مرکب ہوتی ہے اور عجیب بات ہے کہ عربی میں اس کو دویتی ہی آج تک کہتے ہیں اور رباعی جو عربی نام تھا، اوس نے زبان عجم میں فروغ پایا، صاحب عجم نے ذرا ذرا سے فرق سے اس کے حسب ذیل نام بتائے ہیں،

قول :- ”ہرچہ ازان منس برابیات تازی (عربی) سازند، آنرا قول خوانند“

غزل :- ”وہرچہ بر مقطعات پارسی باشد آن را غزل خوانند“

ترانہ :- ”اہل دانش لمخوات این وزن را ترانہ نام کردند“

دویتی :- ”دو شعر مجزا و آزاد دویتی خوانند، از برای انک بنا آں بر دو بیت میں نیست“

رباعی :- ”دو شعر بآر رباعی خوانند، از بہر انک بحر نہج در اشعار عرب مروج الاجزاء آمدہ است پس ہر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد،

محمد بن قیس رازی کی تصریح کے مطابق اس کا پہلا نام ترانہ رکھا گیا، اور دوسرے نام بعد کو رکھے گئے ہیں لیکن دولت شاہ کا بیان ہے کہ پہلے اوس کا نام دویتی رکھا گیا، پھر رباعی، دو بیت یا دویتی کا لفظ دو عربی میں ہمیشہ کے لئے رو گیا بلکہ مگر فارسی میں چھی صدی تک اس لفظ کا استعمال رباعی کی جگہ نہ لیا نظر آتا ہے، محمد بن علی راوندی نے راحۃ الصدور میں ہر جگہ دویتی لکھا ہے، انوری نے سلطان بنجر کی مدح میں جو رباعیاں لکھی ہیں، ان کو بھی دویتی کہا ہے، لیکن صحیحہ میں نہیں ہے کہ قدما عربی میں رباعی کو صرف دویتی کہتے تھے، رباعی نہیں کہتے تھے، بلکہ رباعی بھی کہتے تھے چنانچہ نشوار الماحضرہ میں جو چوتھی صدی کے وسط کی مستند عربی تصنیف ہے، ”رباعیات“ کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، باختر زری التوفی ۴۷۸ھ میں بھی خریۃ العصر میں رباعیات کا لفظ استعمال کیا ہے؟

۱۔ محمد بن معاری اشعار العجم ص ۱۸ گ ۱۵ تذکرہ دولت شاہ ص ۳۸ گ ۱۵ ابن فککان سے راحۃ الصدور راوندی ص ۳۸ گ ۱۵ ص ۱۵

رباعی کی ایجاد | رباعی کی ایجاد کی تاریخ نہایت مبہم ہے، مگر یہ تسلیم ہے کہ بحر زنج کا یہ وزن پہلے مستعمل نہ تھا، اور بعد کے رواج پایا جو، اسکی ایجاد کی صورت اہل ادب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چند لڑکے گولی کھیل رہے تھے، ایک گولی لڑ کھیتی ہوئی سورخ کے پاس آئی، اس پر خوشی کے عالم میں ایک لڑکے کے منہ سے مباحثہ نکلا کہ:-

عنان غلان ہی رود تا بن کو،

شعرا نے اس وزن کو بحر زنج کی ایک قسم پا کر اس کو قبول کیا، اور تین مصرع اور لگا کر اسکو چومصرع کر دیا یہ تو رباعی کی ایجاد کے متعلق قدر مشترک تھا، مگر ایجاد رباعی کے متعلق ہمارے سامنے دو مختلف روایتیں ہیں، ایک تو دولت شاہ ہر قندی (تالیف ۱۰۵۷ھ) کی جس کا بیان ہے کہ یہ بحر صفاریہ خاندان کے بانی یعقوب صفار المتوفی ۱۰۵۷ھ کا لڑکا تھا، اور خود یعقوب صفار کھڑا اپنے نیچے کے کھیل کا تماشا دیکھ رہا تھا، کہ دفعۃً بچہ کی زبان سے یہ جہتہ مصرع نکلا یعقوب کو یہ وزن پسند آیا، لیکن چونکہ اس وقت تک یہ وزن مستعمل نہ تھا، اسلئے ابودولت علی او ابن الکعب جو دربار کے شعرا تھے ان کو بلوا کر پوچھا کہ یہ کون بحر ہے انھوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ یہ بحر زنج کی ایک قسم ہے اور اس پر اسی وزن کے تین اور مصرع لگا کر دو شعر لوہے کے روئے اور دھاتی اس کا نام رکھا،

لیکن اس سے مقدم تصنیف معجم فی معایر اشعار العجم کے مصنف نے بڑی عبارت آرائی کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ چند حسین و خوش رو بچے شہرک پر گولی کھیل رہے تھے، تماشا یوں کا ہجوم تھا، انھیں میں ایک طرف ایک شاعر بھی کھڑا تھا، جو غالباً رتود کی تھا، کہ دفعۃً ایک بچہ کی زبان سے یہ موزون مصرع نکلا، شاعر کو یہ وزن بہت پسند آیا اور اس نے تین مصرع اور لگا کر دھاتی کر دیا،

رباعی کی تاریخ | صورت واقعہ کچھ بھی ہو، اور وہ شاعر کون بھی ہو، مگر دونوں روایتوں کا تاریخی نتیجہ یکسان ہی یعنی یہ کہ تیسری صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہے، کیونکہ یعقوب نے ۱۰۵۷ھ میں اور دودی نے ہرایت عام ۱۱۳۷ھ میں وفات

ملہ یہ متن معجم کی روایت کے مطابق ہے، دولت شاہین تب کو ہے، متاخرین نے اس کو سر کر لیا ہے، مگر مذکور دولت شاہ ہر قندی ص ۳۰، گب

پانی پڑا، اس بنا پر تیسری صدی ہجری کے اواخر میں رباعی کی صفت پیدا ہوئی،

رباعی گو صوفیہ بلکہ شعرا کے ضمن میں تذکروں میں سب سے پہلا نام حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۲۰ھ

کا ملتا ہے، چنانچہ مجمع الفصحائین یہ تین رباعیان اودن کے نام سے ہیں، (جلداول ص ۶۵ ایران)

اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را سوداے تو گم کردہ نگو نامی را،

ذوق لب میگوں تو آور دیرون از صومعه بایزید بسطامی را،

ما را ہم رہ کوئی بدنامی باد و ز سونگکان نصیب ما خامی باد

ناکامی با چو هست کام دل دوت کام دل ما ہمیشہ ناکامی باد

گر قرب خدا می طلبی دجو باش و ندر پس پیش خلق نیکو گو باش

خواہی کہ چو صبح صادق الوعد شوی خورشید صفت با ہم کس یکو باش

لیکن زبان کی صفائی، اور رباعی کا وزن جو تیسری صدی کے خاتمہ تک غیر معروف تھا، اس نسبت

کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے اور اس شک کی تائید والد اغتسانی کے بیان سے ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ

صاحب مجمع الفصحائے رباعیات نقی اودھی سے نقل کی ہیں، اور اسکی نسبت والد اغتسانی نے ریاض شعرا

میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں،

در راقم سزوات اعتماد بقول ضبط نقی اودھی نیست، چہ میر مذکور بسیار کم مایہ و کم متبع بودہ چنانچہ

بعض رباعیات شیخ ابوسعید و بابا افضل کاشمی اہنام سنج بایزید قدس سرہ نقل کردہ، و حال

آنکو پہنچ کس از متقدمین و مورخین دار باب خبرت اہل تحقیق ذکر نہ کردہ اند کہ شیخ بایزید شعر

می فرمود، نقی اودھی را نسیان بسیار می نیز بودہ، چنانچہ گاہست کہ یک شعر را بنام کس

لے سمعانی نے کتاب لالائیں میں رودکی کا ذکر کیا ہے، اور اسکی تاریخ وفات ۲۲۰ھ بتائی ہے، والد اغتسانی گو مٹا کر

محو شاہ کا معاہرہ تھا، مگر کاوش و تحقیق میں اوس کا پایہ بلند ہے، جیسا کہ اس کے تذکرہ سے ظاہر ہو۔

چهار کس نقل کردہ است، (نسخہ قلمی کتب خانہ ندوۃ العلماء، درجہ یکم سنائی،

رباعی گوشتوارین اگر دولت شاہ کا اعتبار کیا جائے تو ابوداؤد علی، اور ابن الکلبی جو یعقوب صفارستہ
نوشہ کے دباری شعراء تھے، سب پہلے رباعی موزون کی، اور اگر قیس رازی کی بحم فی معایر شعرا بحم کی روایت
کا ملاحظہ کیا جائے تو اس کے گمان میں سب پہلے جس نے رباعی کہی وہ تروذ کی المتوفی ۳۵۷ھ ہی، اسٹھانی نے اس کی
تاریخ وفات ۳۵۷ھ ثبت کی ہو،)

دیوان تروذ کی کے نام سے جو مجموعہ کلام ایران میں ۳۵۷ھ میں چھپا ہے، اور جس کے نسخہ قلمی کی طرف اشارہ
صاحب مجمع الفصحاء نے کیا ہے، اُس کے آخرین ص ۱۰۸ سے ۱۳۳ تک رباعیات کا عنوان ہوا ہے تحت میں
دو دوشعر کے بیٹے منظومات ہیں، جن میں عشقیہ، حکمانہ، اخلاقی، اور غریہ مضامین ہیں، مگر وزن وقافیہ کا
اعتبار کر کے ان میں صرف چھ منظومات ایسے ہیں، جو رباعی ہیں، اور بقیہ قطعے ہیں، وہ چھتے
رباعیان یہ ہیں،

با آن کہ دلم از غم بجزت خون ست	۱	شدی بنم تو ام ز غم افزودست
اندیشہ کنم ہر شب و گویم یارب	۱	ہو انش چنین است و صا ش چونت
چشم ز غمت بہر عقیقہ کہ بسفت		بر چہرہ زار گل زبر ازم بشگفت
رازیکو دلم ز جان ہی داشت نہفت	۲	اشکم ز زبان حال با خلق بگفت
مان تشنہ بگلرنجی زین باغ تشہر		بیدست نیست این ریاض بدودر
بیودہ مان کہ باغبانت بقفاست	۳	چون خاک نشستہ گیر و چون باد گذر
چون کشتہ بنیت دولاب کردہ فراز		وز جان تھی قالب فرسودہ باز
بر بالینم نشستہ می گوئی بساز	۴	کی کشتہ ترانہ ویشمان شدہ باز

اسے از گل سرخ، رنگ بر بودہ دبو رنگ از پے رخ ربودہ، بواز پی مو
گلزنگ شود چو روی شوی مہم جوئی ۵ مشکین گرد چو موفتانی مہم کو
چون کا ردلم ز زلف ادا ماندہ گرہ بر برگ جان صد آرزو ماندہ گرہ
امید ز گریہ بود، افسوس افسوس ۶ کاہنم شب وصل در گلو ماندہ گرہ
ایک اور رباعی مجمع الفصحاء کے نسخہ میں ہے،

در منزل غنیمت گندہ مفرش مائیم دز آب دو چشم دل بر آتش مائیم
عالم چو ستم کند شکش مائیم ۷ دست خوش روزگار ناخوش مائیم

حضرت الامام ذی الحجۃ الفصحاء کے حوالہ سے چھٹی رباعی شعراجمین نقل کی ہے، اور ذوق شعری کی بنا پر فیصلہ فرمایا ہے کہ یہ صناعانہ کلام ردود کی کاہنیں ہو سکتا، (شعراجم جلد اول، احوال ردود کی) اگر یہ سائ رباعیان ردود کی کی ہوں بھی تو تعجب معلوم ہوتا ہے کہ بانی فن کے ہاں استدراک کی مثالیں ہوں اصل یہ ہے کہ ردود کی کا کلام جو متقدمین کی تصریح کے مطابق ہزار ہا شعرون پر مشتمل تھا ضائع گیا، اور جو دیوان قلمی یا مطبوعہ ملتا ہے، رضا قلی خان ہدایت صاحب مجمع الفصحاء کی تحقیق کی بنا پر وہ حکیم قطران کے کلام سے مخلوط ہے، جس کا زمانہ ردود کی کے سو برس بعد ہے، مصنف موصوفت دیا بچہ کے تیسرے صفحہ میں لکھا ہے:-

”گویند حکیم ردود کی چندین ہزار بیت شرفارسی مدون کردہ بود کہ اکنون ہزاریک آن
ناماندہ چنانچہ رشیدی گفتہ۔“

شعرا و را بر شہر دم سیزدہ رہ صد ہزار ہم فزون تر آمد از روی شعر گر بشری
دو طہ ترین کہ در زمان اشعاری کہ بنام ابو عبد اللہ جعفر بن محمد اردو کی موقوف و مشہور است
رد دیوان ابو منصور قطران مطبوعہ است و از دست

پہر رود کی کے احوال میں کہا ہے،

”رود کی اشعار بسیار داشته، اما اشعار دی چیز در میان نمانده و ہمہ تحصیل رفتہ، طرفہ تر اینکه رشیدی
سمت قدی در باب نظم او گوید (شعرا در گذرا) و اکنون قلیل اشعار بنام وی مذکور است و در بعضی تواریخ
و کتب تذکرہ مسطور است چون دیوان حکیم قطران پدید آمد، بیشتر آہنایزدان دیوان دریافتہ شد
و دیوانش معروف نمودہ، و در مدائح دی ابونصر اندرست گمان کردہ اند کہ نصر بن احمد است و شاعر
رود کی است پس از انکہ در تواریخ دائرہ قدسی رفت پیدا آمد کہ حکیم رود کی صد اند سال قبل از قطران
بودہ و این اشعار معروف بنام وی از قطران است الا قلیل کہ در ان نیز شبہ است“ (ص ۳۷۷)

اصل یہ ہے کہ نصر سامانی مدوح رود کی، اور ابونصر مہمان مدوح قطران کے درمیان اختلاف ہو گیا،
بہر حال اس بیان سے یہ ہوا ہے کہ اگر رود کی رباعی کا موجود ہے، تو اس کے موجودہ دیوان میں رباعیان اتنی
کم کیونہیں اور بعض میں زبان کی صنایع کی جو بعد کی چیز ہے، دیکھا گیا ہے، اور نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ او کے
کلام کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا، اس لئے اس کی رباعیوں کا نشان لگانا ب محال ہے، ورنہ سمعانی کے زمانہ
میں (۳۵۷ھ) اس کا دیوان بلا عجم میں کثرت ملتا تھا، انساب سمعانی میں ہے:-

السباعی دیوانہ فی بلاد العجم جبکہ دیوان عجم کے شہر دین دار و سائرہ،
رباعی گوئیوں میں پہلا نام اور مطلق رباعی گوئیوں میں دوسرا نام معلم ثانی ابونصر فارابی المتوفی ۳۷۹ھ
کامتا ہے، ابن خلکان نے ایک عربی قطعہ مشتبہ طور سے اس کی طرف منسوب کیا ہے، فارابی کو تسلط ترک تھا،
مگر اس زمانہ میں عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی، اور اس کے علاوہ وہ متعدد زبانوں سے واقف
تھا، اس لئے اس کی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہیں ہے، نیز درسی کی تاریخ الحکماء میں اصلہ فادر
بہر حال تذکرہ اور بیاضوں میں اس کی طرف چند رباعیات منسوب ملتی ہیں، مجموعہ منتخبات

دارالمصنفین میں حسب ذیل رباعیان اس کے نام سے درج ہیں،

اسے آن کہ شاپیرد جوان دیدارید ازرق پوشان گنبد و دوارید
 طغی ز شہادر بر بر مجموع است اور ابہ خلاص ہستی (؟) بگمارید
 اسرار وجود خام و ناپختہ بماند و آن گوہر بس شریف ناسختہ بماند
 ہر کس ز سر تر قیاس حرفے گفتند و آن نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

یہی دونوں باعیان مجیب الفصحیٰ بن حکیم مذکور کے حال میں (جلد اول ص ۸۳) مندرج ہیں، صرف اس قدر
 تغیر ہے کہ پہلی رباعی کے دوسرے مصرع میں گنبد دوارید کے بجائے این کن دیوارید ہے، اور چوتھے مصرع
 ہستی کے بجائے ہستی ہے، اور دوسری رباعی کے تیسرے مصرع میں ہے، ہر کس بدیل عقل چیزے گفتند،
 ایک اور مجموعہ میں (خیابان عرفان مرتبہ محمد حسن بلگرامی) ایک اور رباعی فارابی کے نام سے لکھی ہو،
 زان پیش کہ از بہان فردمانی فرو آن کن کہ نبایدت پشیمانی خورد
 امروز کن چون می توانی کارے فردا پہ کنی چو پیسج نتوانی کرد
 فارابی صوفی حکیم تھا، اور صوفیوں کے لباس میں رہتا تھا، مگر ان کے باوجود کوئی صحیح اور غیر مشکوک
 دلیل اس کے رباعی گوشاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، بجز اسکے کہ شہر زوری نے تاریخ الحکماء میں
 اس کے حال میں لکھا ہے ولہ اشعار حسنة حکمیة اور اسکے اچھے حکماء استخار میں، اور اس کے عربی
 حکماء اشعار و صوفیوں میں نقل کئے ہیں،

اس کے بعد شاعرانہ رنگ میں ابوشکور بلخی کا نام ملتا ہے، جس کا شمار سامانی عہد کے شاعروں میں ہوا

لے گز رہکا ہے کثر باعی کسی قد لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ ختام کے رباعیات میں بھی شامل ہے، لفظ ناپختہ "قافیہ کے
 لحاظ سے غلط ہے، لے قفلی اور ابوالفرج مطلی میں ہے، واقفہ فی کفہ مددۃ بنہی اہل التصوف یعنی
 وہ ایک زمانہ تک سیف الدولہ کے سایہ دولت میں اہل تصوف کے لباس میں رہا، درۃ الاخبار میں فارابی کے صوفی
 کلمات بھی مذکور ہیں،

۳۳۶ میں اُس نے ایک کتاب لکھی تھی، عونی نے لبالب (جلد دوم ص ۱۸۱) میں اوس کا ذکر کیا ہے اور شریک متعلق اوس کے متعدد قطع نقل کئے ہیں، اور ایک یہ رباعی لکھی ہے،

اے گشتہ من از غم فراوان تو پست شد قامت من ز درد ہجران تو پست

اے شستہ من از فریب و ستان تو دست خود بیچ کسی بیزار و شان تو دست

اسی عہد کا ایک ادب و حکیم شاعر عمارہ مروزی ہے جس نے سامانیہ کا آخری اور غزنویہ کا ابتدائی زمانہ

پایا ہے، صاحب مجمع الفصحا نے اوس کا سال وفات ۳۸۷ھ لکھا ہے، وصف شراب اوس کا خاص موضوع ہے

عونی نے اوسکی یہ رباعی نقل کی ہے

آن می بدست آن بت سین من نگر گوئی کہ آفتاب یہ پیوست باقصر

و آن ساغری کہ سایہ بنگینہ می برد برگ گل سپید است بگویی بلا لہ برد

رباعی کی بحر کے بعض قطعات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سنوز رباعی فن کی زنجیر میں کسی نہیں

گئی تھی، جاتی نے نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان سید ابوالخیر کو عمارہ کا کوئی شعر سنایا گیا تو وجد کا عالم

طاری ہو گیا، اور اپنے مریدوں کے ساتھ وہ اسکی قبر پر گئے تھے

اس زمانہ میں دیلمی کا ایک شاخ آل زیار کا بادشاہ شمس المعالی قابوس بن وکیر دیلمی تھا جو ۳۳۷ھ

میں تخت نشین ہوا، کمال البلاغۃ اور سیر الملوک اسکی تصنیف ہے، کمال البلاغۃ، مصرع میں چھپ گئی ہے،

شمس المعالی نے بعض رباعیاں بھی کہی ہیں، مجمع الفصحا سے یہ رباعیاں نقل ہیں، (مجلد اول ص ۵۲)

گل شاہ نشاط آمد دے میر طرب زان روی بدین دو میکم عیش طلب

خواہی کہ بدین بدانی امی ماہ سبب گل رنگ رخت اردوی رنگ دلب

۳۳۷ مجمع الفصحا میں یہ مصرع اس طرح ہے، شد قامت من ز بار ہجران تو پشت سے مجمع الفصحا میں یہ لفظ تیسینہ تن ہے،

۳۳۸ مجمع الفصحا میں یوں ہے جو صحیح ہے، و آن ساغری کہ سایہ فگندہ است می در لکھ مجمع الفصحا، جلد اول ص ۵۰ پایہ اول

شش چیز دران زلف تو دارم مکن بیچ و گروہ و بند و خم و تاب و شکن
 شش چیز دیگر از ان نصیب دل من عشق و غم و دور و درخ و تیار و حزن
 حکمانہ تصوف کا آغاز دہلیوں کے زیر سایہ ہوا ہی جو چوتھی پانچویں صدی میں ۱۳۵۰ء سے لیکر ۱۳۷۰ء یعنی سلجوقیوں کی سیدائش
 تک برسوں درج رہے، اس بنا پر تصوف کی حکمانہ رباعی چوتھی صدی کے وسط میں پیدا ہو چکی تھی، نشوونما
 چوتھی صدی کے اخیر کی تصنیف ہے، اس کی شہادت سے ثابت ہے کہ اس عہد یعنی دہالمہ کے عہد میں صوفیانہ
 رباعیان مجلس سماع کو گرم کرتی تھیں، اب غزنوی دور آیا، اس دور کے سلاطین اور شعراء میں مختصر ہنگامی
 واقعات مثلاً شکریہ، معذرت، شکایت، غز، تہنیت عمید، اور دوسرے ہنگامی واقعات کی فی البدیہہ نظم
 میں یہ صنف سخن ترقی کرتی نظر آتی ہے، غزنویہ کا آغاز ۵۰۰ھ میں ہوا، اور اس کے عروج کا تسارہ سلجوقیہ
 کے آفتاب اقبال کی روشنی میں ۵۲۵ھ میں بھپکڑ گیا، غزنوی دور کے شعراء میں سے عنصری المتوفی ۵۳۳ھ
 کے ہاں رباعیان کثرت میں، مجمع الفصحاء میں، انکی بیانیان درج ہیں، مشہور کہانی کی بنا پر ایاز کی زلف
 کھینچنے کے من تعلیل میں، او کی رباعی ہے،

کے عیب سر زلف بت اذکاستن است پہ جای بنم نشستن و خاستن است
 روز طرب و نشاط و می خواستن است کاراستن سر و بہ پیراستن است
 ایک دفعہ سلطان محمود چوگان کھیلنے میں گھوڑے گر گیا، اس پر عنصری نے جہتہ یہ رباعی کہی
 شاہا ادبے کن فلک بد خور کا سیب رسانید رخ نیکو را
 گر گوئی خطا رفت بچو گانش زن در اسپ خطا کرد بن بخشش اورا
 سلطان نے وہ گھوڑا اس کو بخش دیا، اس پر شاعر نے شکریہ کی دوسری رباعی جہتہ عرض کی،
 عنصری کی اباعیات زیادہ تر انھن ہنگامی واقعات اور حسن و عشق کے مضامین کی ہیں،

اس عہد کے مشہور ترین شاعر فردوسی کے کلام میں بھی رباعی کی صنف پائی جاتی ہے، مشہور روایت کے مطابق عنصری، فرخی اور عسجدی کی بزمِ انس میں فردوسی نے جب پہلے پہل قدم رکھا تھا تو ان تینوں نے رباعی ہی کا ایک ایک مصرع لکھ کر فردوسی کے زورِ سخن کی آزمائش کی تھی، یہ بھی کہتے ہیں کہ فردوسی نے سلطانِ حکم سے کسی خوش و غلام کے آغازِ خط کی تعریف میں یہ رباعی کہی تھی،

مست است بتا چشم تو دیر بدست بس کن کہ زیرِ چشم مست تو بخت
گر پوشید عارضت ز رہِ عذرش نہ کہ زیرِ تبرسد ہمہ کس خاصہ بہ مست
غزوی شہر، میں عسجدی المستوفیؒ کی رباعیات خاص نوعیت رکھتی ہیں، ان میں عشقِ حقیقی و مجازی کی متدل ترکیب پائی جاتی ہے، مجمع الفصحا میں اس کی دس رباعیاں ہیں، جن میں سے پہلی حسب دستور زمانہ آغازِ خط کے وصف میں ہے،

برگل رقی ز مشک ناگاہ زدند	بر شکِ شکوہ چکان راہ زدند
آئینہ ردی دوست نہ کار گرفت	از بسکہ برا و سوختگان آہ زدند
در دور تو عقل کل کنشتی گردد	حسنِ ابدی شہرہ بزشتی گردد
خاکِ کبر کشتگان در دوزخ عشق	پیرایہ حورانِ بہشتی گردد
دل دوش ہزار چارہ سازی مگر	با وعدہ دوست عشق بازی می کرد
تا بر کفِ پائے تو تواند مالید	دل را ہمہ شب دیدہ نمازی می کرد
صبح است و صبا مشک فشان میگردد	دریاب کہ از کوس فلان می گذرد
بر خیز چہ پی کہ جهان می گذرد	بوی بستان کہ کاروان می گذرد
در جسمِ پیالہ جان روانست روان	در روحِ مجسم آن روانست روان

لے تاریخ گزیدہ مستوفی ص ۸۴۲ (کب)

در آب فسرده آتش سیال است در دُرُج بلور لعل کانت روان

ان جسم پیا لہ میں بجان آبستن ہچون سمنی بارغوان آبستن

فی فی غلظم پیا لہ از غایت لطف آبیت باتش روان آبستن

گرزان کہ مرا فلک ہد مال فرہ بکشایم ازین کار فر و بستہ گرہ

ترکی بخزم کہ ہر کہ بسیند گوید اسی خاک تو از خون خریدار توبہ

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ وز عشق بتان رسم غمغیب توبہ

در دل ہوس شراب دہر لب توبہ زین توبہ نادرست یارب توبہ

عونی نے لب الالباب کی پہلی جلد میں سلاطین غزنویہ اور امراسے چنانیہ (جو غزنویہ کے زیر اثر تھے) اور امراسے جرجان کی بہت سی رباعیان (باب اول در لطائف اشعار ملوک کبار) نقل کی ہیں، مگر یہ زیادہ تر ہنگامی واقعات کے ذکر و بیان میں تفریحی حیثیت رکھتی ہیں، البتہ ان میں سے ایک شخص خاص ذکر کے قابل ہے، اور وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کا پوتا عنصر المعالی کیکا کوس بن اسکندر بن شمس المعالی قابوس امیر جرجان ہے جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کا معاشر تھا، یہ ایک سخن سنج و سخن فہم امیر تھا، اس کے اشعار تذکرہ میں مذکور ہیں، مجمع الفصحاء میں اس کی دس اخلاقی اور عشقیدہ رباعیان لکھی ہیں پہلی رباعی یہ ہے :-

گر شیر شود عدد و چو پید اچہ نہفت باشیر بہ نیش سخن باید گفت

کان را کہ بگو نہفت باید نہی نہفت با جفت بجان خویش تواند نہفت

اس عہد کا رباعی گو حکیم ابو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ ہی، اس نے متعدد حکیمانہ رباعیان کہیں،

جو تذکرہ اور سفینون میں مذکور ہیں، ان میں سے بعض ختام کے نام سے بھی جانتی ہیں، ڈاکٹر ایچ

نہ ۸۵۸ھ میں ابن سینا کی بارہ رباعیوں کو جمع کر کے چھپوایا ہے، مجمع الفصحاء میں اس کی یہ

پانچ رباعیان ہیں،

دل گرچہ درین باد یہ بسیار شگفت | یکجوی ندانست ولی موی شگافت
 اندر دل من ہزار خورشید بتافت | آخر بکمال ذرہ راہ نیافت
 باین دوسہ نادان کہ چنین میدانند | از حق کہ دانای جهان آنانند
 خرباش کہ این جماعت از فراطری ^۲ | ہر کو نہ خواست کافر ش می خوانند
 کفر چو منی گزاف و آسان نہ بود | محکم تر از ایسان من ایسان نہ بود
 در دہر چو من کیے و آن ہم کافر ^۳ | پس در ہمہ دہر یک مسلمان نہ بود
 از قعر گل سیاہ تا اوج زحل | کردم ہمہ مشکلات گیتی راحل
 بیرون جستم ز قید ہر کمر و حیل ^۴ | ہر بند کشادہ شد گمربند اجل
 ای کاش بدانی کہ من کیستی | سر گشتہ بعالم از پے پیستی
 گر مقنیم آسودہ و خوش زمستی ^۵ | ورنہ ہزار دیدہ بگمستی
 مجموعہ نقبات دارالمصنفین میں ایک دور باعیان اور بھی ہیں، مگر وہ بھی خیاں اور محقق طوسی کے
 منوبات میں ہیں، اوپر کی پانچ رباعیوں میں دوسری، تیسری اور چوتھی، خیاں کے مجموعہ میں بھی ملتی ہیں،
 غزنوی دور میں سلطان محمود کے زمانہ میں مشہور صوفی شاعر شیخ ابوالحسن خرقانی المتوفی ۵۳۷ھ کا
 ظہور ہوا، یہ پہلی مقدس ہستی ہے جس نے رباعیات کے پردہ میں عشق حقیقی کے مضامین ظاہر کئے، ہمارے
 مجموعہ نقبات، مجمع الفصحاء اور آتشکدہ میں ان کی متعدد رباعیاں ہیں، ہمارے مجموعہ میں یہ رباعیاں
 شیخ کے نام سے ہیں،

تا گبر نشی، با تو بستہ یا رہنو، | در گبر شنی از ہر بتے عار رہنو
 آنرا کہ میان بستہ بزم تا رہنو | آنرا کہ میان عاشقان کار رہنو

روزم بھلا بے تو گزشت و گزشت شب ہم بخیال بے تو گزشت و گزشت
 یک چشم زدن بے تو نہ بودم ہرگز اکنوں مہ و سال بے تو گزشت و گزشت
 سودائے ہر بے سرو سامان یک سو اندیشہ خاطر پریشان یک سو
 بے مری چرخ و جوڑ بادان یک سو اینہما ہم یک سو، غم جانان یک سو
 ای سینہ بی طرحِ نفعان اندازیم افسانہ عشق در میان اندازیم
 تا از دلِ ناخبر رسانند سیار دل بر سرِ راہِ کاروان اندازیم
 مجمع الفصحاء میں دو رباعیان اور ہیں :-

آندوست کہ دیدش بسیار آید چشم بے دیدنش از گریہ نیا ساید چشم
 مار از برائے دیدنش باید چشم گر دوست نہ بیند چہ کار آید چشم
 والدہ اغثنی نے صرف پہلی رباعی نقل کی ہے، اور اس کی زبان کی بنا پر یہ لکھا ہے :-
 ”و رباعیات دیگر ایشان نیز بہین سیاق آئینتہ بزبان پہلوی است“

(در ترجمہ ابوالحسن خرقانی)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من دین حرفِ معمانہ تو خوانی و نہ من
 ہست از پس پردہ گفتگوی من تو گر پردہ برافت نہ تو مانی و نہ من
 ایک اور رباعی اون کی طرف منسوب ملتی ہے،

گویند مرا کہ می پرستم ہستم گویند مرا فاسق و مستم ہستم
 در ظاہر من نگاہ بسیار کن کا نہر باطن چنانک ہستم ہستم
 چھٹی رباعی خیام کے اکثر نسخوں میں موجود ہے، اور ساتویں بھی تینا و رکاوانی کے نسخوں کے درمیان
 کی ملکیت میں داخل ہے، اور پہلی رباعی کی زبان بقیہ رباعیوں سے الگ ہے، جو قابلِ لحاظ ہے،

نفحات الانس جامی کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی سے پہلے شعر سپید صوفیہ اس کو عربی سے مین چھیڑتے تھے، کہ ان سے پہلے فارسی کا کوئی ترانہ خون صوفی نظر نہیں آتا، الا یہ کہ بایزید بسطامی کی طرف چند شکوک رباعیاتی منسوب ہیں۔

اسی زمانہ میں شیخ کا معاصر باباطاہر سہرانی المتوفی ۵۸۷ھ یا بقول برآون بقیاس روایت ۵۸۷ھ قریب ۵۸۷ھ ہے، یہ نصیری فرقہ کا درویش تھا، رے کی دہتانی بولی میں یہ رباعیان کہا کرتا تھا، اسکی بایون کا مجموعہ موجود ہے، اور چھپ بھی گیا ہے، یہ پہلا مستقل مجموعہ رباعیات کا ہے جو اسوقت ہمارے سامنے موجود اسکی دو رباعیان یہ ہیں

دے دارم کہ بہودش نی بو	نصیحت می کرم سودش نی بو
ببادش می دہم نشس میرہ باد	برآذر نی نسیم دودش نی بو
نیسے کز بن آن کا گل آید	مرا خوش تر ز بوی سنبل آید
چو شوگیرم خیالت را در آغوش	سحر از بسترم بوسے گل آید

اس کے بعد سلطان ابوسعید ابوالخیر صوفی المتوفی ۵۸۷ھ آتے ہیں جن کی رباعیان عشق حقیقی

کی تیز و تند شراب لیریز ہیں، ان کی رباعیوں کے بھی کئی ادیش مشرق و مغرب میں شائع ہو چکے ہیں اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر ہستی بابا افضل الدین فضل کاشانی (یا کاشی) کی ہے، یہ ایک فاضل حکیم صوفی تھے، آذر، آزاد، بلگرامی اور ہدایت طہرانی کی تصریح کے مطابق اون کی متعدد تالیفات ہیں، کہتے ہیں کہ خواجہ نصیر الدین نے ان کی طرح میں وہ شعر کہا ہے، جسکی بنا افضل افضل کی تلخیص پر ہے بابا کی اس شہرت کے باوجود کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہیں آزاد بلگرامی نے یہ بیضیاں لکھا ہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے معاصر تھے، اور سلطان ان کو ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا، اور وہ مدت تک غزنو میں مقیم رہ کر پھر اپنے وطن، ملون کو واپس گئے، آذر نے آتشکدہ میں لکھا ہے، کہ یہ غزنو

چند رباعیان نقل کی ہیں، جو طبع نامہ کے مطالعہ کے بعد اسکو زبان یا دہ گئی تھیں،

پیر امنِ روزِ قیرگون شب دارد زبرد و شکری و دو کوکب دارد
بر سرخ گل از غالیہ عقرب دارد ۱ داز نوش و دیریاک مجرب دارد
بر گردن خویش بستہ عقدِ گمر و از گوش بیا و یختہ حلقہ زر
گوی غنیم عشق جلوہ کرد ای دلیر ۲ ز اشک و رخ من بگردن و گوش تو
زان می خواہم کہ خرمی را سبب است نامش می و کیمیا می شادی لقب است
سرخ است چو عناب و زآب عناب است ۳ آبی کہ برخ بر آتش آرد عجب است
خضم تو اگر بازندارد ز تو چنگ صد گونہ برائے تو بر آمیزم رنگ
بنشینم گوارہ بناست و بہ تنگ ۴ بر آتش چو کباب و بہ تیغ چو زنگ
ای غالیہ شوریدہ بہا شورہ سیم دز غالیہ تو سیم را رنگ و سیم
بر غم مرا نہادی اسے دز تیسیم ۵ دہ تاج سیدہ بر سر دہ ماہی شیم

تیسری رباعی خیام کے بعض مجموعوں میں بھی داخل ہے، باخرزی کا ایک دوست اور عزیز ہمدہم دہم پیالہ محمد بن ابی نصر ہے، باخرزی نے اسکی نسبت اپنے تذکرہ میں لکھا، ”ی دلہ رباعیات بالفارسیہ و اختراعات فیہا دقیقہ“ فارسی کی رباعیان نقل نہیں کی ہیں، مگر عربی اشعار نقل کئے ہیں، جو تاتر سور و ساز اور رنگ و متی ہیں،

۵۵۰
عبد سلجوقی کے حکماء اور صوفیہ میں دو نام خاص قابل ذکر ہیں، ایک امام محمد غزالی المتوفی
اور دوسرے ان کے بھائی امام احمد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ امام محمد غزالی کا ایک قطعہ اودتین رباعیان

سہ لبالباب غونی جلد ۱ ص ۳۵ مجمع الفصحا میں شوریدہ کی جگہ سائیدہ دشورہ کی جگہ سورہ ہوجس ۳۴۴،
سہ دمیتہ القصر ص ۶۵، جلب

مجمع الفصحاء میں ہیں، رباعیان حسب ذیل ہیں،

کس را پس پرده قضا را نشد وز تبر در پیش کس آگاہ نشد

ہر کس ز سرب قیاس چیزے گفتند معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد

ما جامہ نفازی بسر خم کردیم و ز آب خرابات تیتسم کردیم

شاید کہ درین میکدہ بازیایم آن یار کہ در صومعہ ہاگم کردیم

خاک و کس مشکو کہ گردست خوانم گر خود ہمہ آتشی کہ سردست خوانم

تا تشنہ تری بخلق محتاج تری سیر از ہمہ شوتا سرہ مرست خوانم

پہلی اور دوسری رباعیان خیام کے بعض نسخوں میں بھی ہیں (دیکھو مطبوعات بمبئی)،

امام احمد غزالی صوفی سانی تھے، مجمع الفصحاء میں ان کی تین صوفیانہ رباعیان ہیں،

یہ تمام اشخاص خیام کے معاصرین تھے، اس قرن کے دوسرے رباعی گو عوفیہ نہیں سب مشہور و

معروف بہت ہی شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری ہرومی المتوفی ۵۸۵ھ کی ہے، یہ مذہباً جنلی اور مشرباً

صوفی تھے، عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، جو زیادہ تر عجز و قصیدہ طلب مغفرت نصیحت

و وعظمت اور مناجاتوں پر مشتمل ہیں، ابن رجب جنلی نے طبقات الخلفاء میں ان کا مفصل ذکر کیا ہے، اور ان کے

بعض عربی اشعار بھی نقل کئے ہیں، منازل السائرین تصوف میں انکی مشہور کتاب ہے، فارسی میں ان کی

مناجاتیں بہت دلکش ہیں، اسی سلسلہ میں اون کی رباعیان بھی ہیں، جن کا موزونہ ہے، دوسری رباعی مجموعہ منتخب

دارالمصنفین میں اور بقیہ میں مجمع الفصحاء میں ہیں،

غیب است بزرگ بر کشیدن خود (۱) در جملہ خلق برگزیدن خود را،

سلا ریاض الشواہد اور مجمع الفصحاء وغیرہ تذکرہ میں ۳۹۵ھ کی ولادت اور ۵۸۵ھ کی وفات غلط لکھی ہے، ایک صدی کی کمی ہے،

میں نے یہ تاریخ ابن رجب جنلی کے طبقات الخلفاء سے نقل کی ہے، جس نے اون کے معاصرین اور تلامذہ کو ان کے احوال نقل کیے ہیں

از مرد مک دیدہ باید آموخت دیدن ہمہ کس را و ندین خود را
 عودم چون بود بچوب بید آوردم روی سید و موی سپید آوردم
 تو خود گفتی کہ ناما میدی کفر است ۲ فرمان تو بردم و امید آوردم
 شرط است کہ چون مرد برہ در دشوی خاک ترونا چیز ترا ز گردشوی
 ہر کو ز مراد گم شود مرد شود ۳ بگلن الف مراد تا مردشوی
 دی آدم دنیا د از من کارے داور و ز زم گرم نشد بازاری
 فردام بردم بے خبر از سراسے ۴ نا آمدہ بہ بود از من بسیاری
 خیام اور عبد اللہ انصاری کی بعض رباعیان بھی با ہم مخلط ہیں،

اسی عہد کے ایک اور صوفی شاعر ہیں جن کا نام اس سلسلہ میں اب تک نہیں لیا گیا ہے، اور شیخ
 احمد بدیلی سبزواری ہیں، جو تہذیبیہین سلطان کش خوارزم شاہ کے عہد میں موجود تھے ہمنصف جہان کش نے
 ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے،۔

”چون کار اہل سبزدار با خطر رسید و مجاہد تہ بہ تہ بود شیخ احمد بدیلی کہ از ابدال زمانہ بود
 و در علوم دینی و تحقیقی یگانہ و او را در حقائق اشعار است از غزل و رباعیات و رسائل
 آخری فقرہ جہان کش کے دوسرے نسخہ میں جو مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے حسب ذیل ہے:۔
 ”و او را در حقائق اشعار و رباعیات و رسائل بسیار است“
 اس کے بعد یہ ہے،۔

”و این رباعی اور است“

اے مستوفی نے تاریخ گریہ میں مشائخ کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا ہے، (ص ۸۷، ۸۸) اور ان کا نام احمد بن بدیلی
 سبزواری لکھا ہے، اور کوئی نئی بات نہیں لکھی ہے،

ای جان اگر از غبار تن پاک شوی تو روح مقدسی برا فلاک شوی
عش است نشیمن تو، شرمت بادا کای مضمیم خطہ خاک شوی
مگر یہ رباعی بتغیر خیام کے نسخہ میں بھی موجود ہے،

حکماء اور صوفیہ نے رباعی کو
کیوں اختیار کیا،

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکماء اور صوفیہ نے تمام اصنافِ سخن میں رباعی کو کیوں پسند کیا؟ اس کا جواب جہاں تک مجھے معلوم ہے، اب تک نہیں دیا گیا۔ میں نے

جہاں تک چھان بین کی حسبِ ذیل نتائج سامنے آئے:

۱۔ اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے، وہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ تھے، قصیدہ میں تیس چالیس بلکہ ان سے بھی زیادہ شعر ہوتے تھے، اور وہ عموماً مدح و سبوحین کام آتا تھا، شروع میں شب ہوتی تھی، جس میں حسن و عشق کی روداد، یا مناظر قدرت بیان کئے جاتے تھے، مثنوی رزم و بزم کے مسلسل قصائد و حکایات کے لئے مخصوص تھی، قطعہ میں مختصر واقعات نظم ہوتے تھے، چنانچہ ابتداً فلسفہ کے خیالات قصیدوں، قطعوں اور مثنویوں میں بھی ادا کئے گئے، سب سے پہلے فلسفی شاعر حکیم ناصر خسرو المتوفی ۵۳۷ھ نے ہر قسم کے فلسفیانہ خیالات قصیدوں ہی میں ادا کئے ہیں، تاہم حکمت و تصوف کے اچھوتے خیالات ایک نئی صنفِ سخن کے طاب تھے، تا کہ حسن و عشق کی روداد اور مدح و ذم کی حکایات سے تصوف و حکمت کے حقائق ظاہری و باطنی ہر طرز سے علیحدہ ہو جائیں،

۲۔ حکماء اور صوفیہ پیشہ ور شاعر نہ تھے، ان کے شب و روز کے مشاغل کچھ اور تھے، شاعری ان کا پیشہ نہ تھا، اس لئے ان کے ذہنی خیالات کی تحریر و ترتیب کے لئے قصائد و مثنوی کے طویل الاشعار اصنافِ سخن کا راز نہیں ہو سکتے تھے، نہ ان کے پاس تعلیم و تصنیف و محاط العبادت و فکر عبادت سے اتنا وقت نکل سکتا تھا کہ وہ قصیدہ یا مثنوی تصنیف کرنے بیٹھے کبھی سانس لینے کے لئے وہ کچھ کہہ لیتے تھے، اور اتنی تھوڑی دیر میں چار مصرعے لکھ کر الگ ہو جاتے تھے، اور پھر اپنے مشاغل میں لگ جاتے تھے،

۳۔ قصیدہ اورثنوی میں مسلسل واقعات نظم ہوتے ہیں، اورغزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی جیسا کہ معنی کے لحاظ سے شعرِ رباعی خود مستقل ہوتا ہے، لیکن اسماعیل المتونیؒ نے اس طرز کا آغاز کیا، اور شیخ سعدی المتونیؒ نے اس کو کمال کو پہنچایا، اس نے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اس وقت موجود نہ تھی،

۴۔ فارسی میں اسلام کے بعد موسیقی کا رواج سامانی درباروں میں شروع ہو چکا تھا، مگر یہ معلوم نہیں کہ فارسی میں گایا کیا جاتا تھا، قصیدہ اورثنوی گانے کی چیز نہ تھی غزل پیدا نہیں ہوئی تھی، البتہ بھٹی برون کے مختصر قصیدے جن کو متاخرین کی اصطلاح میں غزل کہہ دیجئے، گائے جاسکتے تھے جس طرح کہ رُودکی نے اپنی نظم بوی موی جو لیان آید ہی، جن میں سات شعر ہیں، امیر نصیرامانی کے سامنے گائی تھی، مگر ایسی تطہین کم ہوتی تھیں، میرا خیال ہے کہ غناد موسیقی کے کام میں اس وقت اکثر یہی رباعی آتی تھی، صوفیہ جو سماع کے شائق تھے، اداں کے لئے اسی سبب سے رباعی موزون تھی، غالباً یہی وجہ ہو کہ شروع شروع میں رباعی کو ترانہ (راگ) کہتے تھے، محمد بن قیس رازی (موجود ۳۲۷ھ) ہمچو فی معانیہ اشعارا لم کی حسب ذیل عبارت سے یہ بات ترشح ہوتی ہے،

و حکم آن کہ مشد و فشی و بادی و بانی آن وزن کو دے بود نیک موزون و در بدو جانی سخت تاز و
آن ترانہ نام نہاد، و ایہ فتنہ بزرگ و اسر بہمان درداد، و ہمانا طالع ابراع این وزن، برج
میزان بودہ است، کہ خاص و عام مقنون این نوع شدہ اند و عالم و عامی مشغول
این شوگر شدہ، از ہر دفاست و ادر آن نصیب و صراح و طالع را بدان رغبت، اگر طبعانے کہ نظم از تر
نشانند، و از وزن و ضرب جز نمازند بہمان ترانہ و در رقص آیند، مردہ دلائے کہ میان سخن
موسیقار و دنیق حمار فرق نکند، و از لذت بانگ چنگ بہزار فرسنگ دور باشند، برد و بی جان
بدہند، بسا و خرقانہ کہ بر ہوس ترانہ در و دیوار خانہ عصمت خود در ہم شکست، بسا سنی (خاتون)

کہ بر عشق دہیتی مار دو پیر این عفتِ خویش برہم گست، و بحقیقت ہر صبح وزن از اوزان
 مقدمع و اشعار نغز ترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر، و در طبع آویزندہ تر
 ازین نیست و یکم آن کہ اگر باب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف
 ساختہ اند و طرق لطیف تالیف کردہ و عادت چنان رفتہ است کہ ہر چیز بر ازان منس بر ابیات
 تازی باشد تا ز اقوال خوانند و ہر چہ بر مقطعات پارسی باشد آواز نزل خواستہ اہل دانش لحنات
 این وزن را ترانہ نام کردند (ص ۸۹ و ۹۰)

۸۵۵ھ میں سلطان کش خوارزم شاہ کے دربار میں مصنف جہان کشاکش کے پرودا نے سلطان کی مدح
 میں ایک رباعی پڑھی، کہتا ہے، ”جدید رم این رباعی بدایتہ گفتم“

لطف شرف گو ہر کنون ببرد جو کہ کعبہ تو رونق جیہ چون ببرد
 حکم تو یک بخت اگر اسے کنی سود اسے محال از سرگردون ببرد
 سلطان برین ترانہ تاشانہ شراب نوشیدہ

یہ دربار سلطانی کی مثالیں ہیں، صوفیوں کی خانقاہوں میں رباعی کا نظم اس سے بھی زیادہ
 سناؤ دیتا ہے، نثار الحامزہ و اخبار الزکریا جو قاضی ابو علی محسن تنوخی المتوفی ۸۳۷ھ کی تصنیف ہے، اس میں
 ایک واقعہ کے ضمن میں ہے،

حضور فی الجی احمد عبد اللہ بن عمر عارفی میرے پاس آئے، ابو احمد عبد اللہ بن عمر عارفی میرے پاس آئے،
 الحادثی و عندی صوفی تیرے بھائی، اور اس وقت ایک صوفی میرے پاس بیٹھا تھا
 من الرباعیات، جو کچھ رباعیاں گارہا تھا،

یہ دو واقعات ہر ہے، اگر مصنف کے سال وفات ۸۳۷ھ سے پہلے ہوگا، اس سے اندازہ ہوگا، کہ

لے تاریخہ نگار علاء الدین علاء الملک جوینی من گہبہ نثار الحامزہ قاضی تنوخی جلد اول ص ۵۵، مطبوعہ مطبعہ ابن ہند میرٹھ، گوتیمہ

کہ خیام بلکہ سلطان ابوسعید ابوالخیر سے بھی پہلے صوفی اور رباعی میں مناسبت پیدا ہو گئی تھی، اور صوفیوں کی مجلس میں یہ سماع و ترنم کے کام میں آتی تھی، محمد بن علی ہارون دی حین نے اپنی تاریخ سلجوقیہ راجۃ الصدور ۹۹۹ھ میں لکھی ہے، امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مجلس سماع کا ایک واقعہ ان لفظوں میں لکھا ہے :-

وقتہ در سماع کہ فتوح روح و آسائش عاشقان مجروح بود صوفیوں را صغائر و درون ظاہر شدہ و عارفان را حالت آمدہ مطربہ بلجہ خوش و آوازے دلکش بر نوائے نے، نیز آفائے نامی این ترانہ بساختہ بودین بیت اندر

دارم سخنان تازہ و زبر کہ من آخر کف آرمت بزریا بسخن،

امام غزالیؒ حاضر بود از سر و جدے گفت، ز رر اہل مجلس، سخن، سخن، سخن، کتاب مذکور میں رباعی کا دو شعر مذکور ہیں:

خود خیام کی رباعیات خیام کے بعد چھٹی صدی میں صوفیوں کے حال و قال کی مجلسوں میں پڑھی جاتی تھیں، اخبار الکملہ قطعی میں ہے :-

وقد دقت متأخر و الصوفیۃ علی شئ من اور پچھلے صوفیوں نے اسکے اشعار کے کسی قدر ظاہری مطالب پر اطلاع پائی تو انکو اپنی شرب میں ڈھال لیا، اور اپنی مجلسوں و خلوتوں میں انکو پڑھ کر ایک دوسرے کو

ظاہر و شعور، فقلوہا الیٰ صر حقیقہ تھا

بہائی محالسا تمہم دخلو تمہم،

۵۔ رباعی کے وزن کو موسیقی کی لے سے کوئی خاص مناسبت تھی، اسکا ایک اور ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے، کہ رباعی کا پہلا موجد شاعر رودکی، اور پہلا رباعی گو حکیم ابونصر فارابی دونوں موسیقی کے مشہور استاد تھے، رودکی وہی ہے جس نے بوی بوی مولیان آید ہنی کا کر امیر سامانی کو بے اختیار بخارا کے سفر پر آمادہ کر دیا تھا، اور فارابی وہی ہے جو ایک دفعہ اپنے غم و ساز سے مشہور ملی وزیر صاحب ابن عباد کی محفل کو مست خواب بنا کر چلا گیا تھا، اور جس نے ایک موقع پر سیف الدولہ غسانی کے دربار کو جو حیرت بنادیا تھا، بھی حال میں پیر کو فارابی کی موسیقی کیر چھپر شائع ہوئی ہے،

راجۃ الصدور ہارون دی، ۵۰۵ھ، اخبار الکملہ، اخبار الکملہ، جمال الدین قطعی تذکرہ خیام سے تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، احوال رودکی سے درۃ الاخبار ذکر ابونصر فارابی ۵۰۵ھ ابن خلکان تذکرہ ابونصر فارابی،

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از جناب محمد یعقوب صاحب بی اے لکھنؤ،

۱۔ ذیل کا مضمون غالباً مسلم ورلڈ امپیک کے کسی مضمون کا ترجمہ ہے، یہ عیسائیوں کا تبلیغی رسالہ ہے، جو اپنے ہم مذہبوں کو اسلام کے محاسبے، اخبار، اور مسلمان نوجوانوں کو اسکی طرف سے متفر کرنے کے لیے انگریزی میں شائع ہوتا ہے،

۲۔ اخبارات و رسائل کے ناموں کے لکھنے اور پھر اردو میں ترجمہ کرنے میں غلطیاں ہوئی ہیں اکثر ناموں کی تصحیح تو کر دی گئی ہے مگر پھر بھی بعض نام مشتبہ ہیں،

۳۔ اخبارات و رسائل کے ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ اس فہرست میں مردہ زندہ سب ہی صحیفوں کے نام ہیں، اور بعض تازہ ترین کے نام نہیں بھی شامل ہیں، چند نام ہم نے اپنی طرف سے بڑھادیئے ہیں، تاکہ اسکی کنگلی دور ہو جائے،

”معارف“

مسلمانوں کی آبادی کرۂ ارض پر ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے روسے تیس کروڑ ہے، اس میں سے تقریباً ۱۱۰ آبادی ہندوستان کے مسلمانوں کی ہو، اور باقی ۱۰۰ افریقہ، یورپ، امریکہ، اسٹریلیا، اسپینا اور تمام ایشیا کی ہے، مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت خراب ہے، اور اس طرف سے مسلمانوں نے اپنے کان بالکل بند کر دیے ہیں، ناخواندہ مسلمان بیشتر افریقہ کے غیر عظیم میں رہتے ہیں جس کی خاص زبان عربی ہے، ناخواندہ مسلمانوں کی تعداد مشکل سے ایک فیصدی بھی نہیں، اس پر بھی ہم اپنے آپ کو ناخواندہ کہنے کے لیے ہر گز تیار ہیں، ہمارے ناخواندگی سے عیسائی مشن جو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ اظہر من الشمس

اور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں مسلمان صلیبی مذہب کے زیر سایہ ہوتے جاتے ہیں، مسلمانوں میں کسی مشن کا سوسا احمدیہ جماعت کے وجود نہیں، جب ہماری یہ حالت ہے تو ہمارے اخباروں کی بھی ویسی ہی شاعت ہوگی، تمام اسلامی دنیا سے مشن سے ایک ہزار و زائد اخبار اور دو ہزار میگزینوں کی شاعت ہوتی ہے، ہمارے اخباروں کی تاریخ بہت پرانی نہیں ہے، اور مشن سے (۲۰۰) برس اسکی عمر ہے، لیکن جس تیزی کیساتھ انھوں نے گزشتہ دس سال میں ترقی کر لی ہے وہ ذیل کے مضمون سے ظاہر ہوگی،

۱۔ جمہوریہ ترکیہ اور شام

ترکی میں ۱۹۲۴ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوئے، خلافت کے دور میں ۱۹۲۴ء تک کوئی کوشش اخبار کے کھلنے کے متعلق نہیں ہوئی، ۱۹۲۴ء میں ایک فرنگی مسٹر چرچل نے بذات خود ایک ہفتہ وار اخبار پہلی مرتبہ نکالا، اور ۱۹۲۵ء میں ترکوں نے بزم اندکی جگہ نام ترجمان احوال تھا، اس پرچہ کے اجرا نے ایک برقی لہر ترکوں میں دوڑادی، اور اس تاریخ سے اشاعت نے زور پکڑا، ترکی کی حالت ۱۹۲۴ء تک بید خواب تھی کیونکہ قابل اشخاص صعب اول میں نہیں آئے تھے، اور کسی ملک کی برقی کمزوریوں کے ہاتھ سے نہیں ہو سکتی، ۱۹۲۵ء تک خلافت کے دور میں اخباروں کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی، ترکی نو جوانوں نے ۱۹۲۵ء میں اشاعت اپنے ہاتھوں میں لی اور پروگنڈا کرنا شروع کر دیا، مصر، بلقان، فرانس، اور سوئٹزرلینڈ میں اخباروں کی اشاعت شروع ہوئی گو اس زمانہ میں یہ بہت تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے جاری رہے، لیکن اخباری آزادی بہت جلد سلطان کے خلاف ۱۹۲۵ء میں اخباروں کے ذریعہ سے بہت زہر لگایا گیا، یہاں تک کہ پچھ روز نامہ اخبار اور دو ہفتہ وار سیاسی اخبار اس کام میں لگ گئے، سلطان عبدالحمید نے ان تھک کوشش ان اخباروں کے بند کرنے کی کی، لیکن میسود ثابت ہوئی اور ۱۹۲۵ء میں تعداد ۱۲۵۷ سے بہت بڑھ گئی،

۲۵ جولائی ۱۹۲۵ء کا دن اخباری دنیا میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اخباری آزادی مل گئی، اقدام

کی کا بیان جس کی اشاعت (۶۰۰۰۰) ہوتی تھی، اور ایک اخبار ایک سنت کو بکت تھا، شام کو ایک ایک کا پی (۴۴) (۴۴)

سنت کو کبھی بھی بھولی اخباروں کی تعداد اس وقت سے بہت بڑھ گئی، صرف خبروں کی لحاظ ہی سے نہیں بلکہ اخباروں میں ادبی سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے شائع ہونے لگے، جنہیں ایک خاص تعداد ان اخباروں کی قلمی جوڑائیت کے حامی تھے، لیکن کئی آزادی بھی دیکھ کر کوئین ملی تھی، گورنمنٹ نے ۱۳ اپریل ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے الزامات اخباروں پر مقبوضہ اور اسی سلسلے میں بہت زیادہ اشاعت میں کی ہو گئی، مدیروں کو سزا میں ملین اور شہر بدر کر کے گئے، پرنس اور سنئے خیال کے لوگوں میں جھگڑے ہوئے لیکن پرنس مغلوب ہوئے، ترکی کی شکست جنگ بقیان میں ہونے کے بعد اخباروں کو اور زیادہ آزادی ملی کیونکہ فوجوانوں میں ترکی کی ترقی کی لہر دوڑ گئی اور اس دن سے ان جھک کوششوں میں مشغول ہو گئے، سنوئی ترقی اخباری دنیا میں حد سے زیادہ ہوئی، اور مذہبی قید سے بھی جھٹکا راما، ۱۹۱۷ء میں قسطنطنیہ میں ذیل کے اخبار نکلتے تھے۔

قسم	تعداد	قسم	تعداد
ظریفانہ	۳	مذہبی	۶
باتصویر	۵	کاروباری	۹
بچوں کیلئے	۱۱	جنگی	۵
سنوئی	۲	علمی	۸
سیاسی روزنامہ	۶		

ایہ ان اخباروں کی تعداد شامل نہیں ہے، جو غیر ترکی زبانوں میں نکلتے ہیں، روزنامہ اخبار، سمرنا، ہوسام قونیہ، اور طر بزدے نکلتے ہیں،

دوسرے صوبوں کے لاطینی اور عربی اخباروں کی تعداد،

ہام صوبہ	اشاعت لاطینی میں	اشاعت عربی میں
عدانیہ	۴	۴

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین	نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
اڈریانو پیل	۵	۴	کستانی	۳	۴
حلب	۷	۵	خرپت	۳	۱
انگورا	۴	۴	موصل	۳	۲
بیروت	۱	۴ (۲۵ء سے بی بی لاطینی مین نکلنے لگی)	سیواس	۳	۴
دردانیال	۲	۴	وان	۱	۴
دیار بکر	۵	۴	تسطظنیہ	۴۳	۴
ارض روم	۳	۴			

ترکی مین ۱۹۱۳ء مین اخباروں کی اشاعت ۳۸۹ تھی،

ترکی کے موجودہ دور ترقی مین اخباروں کا بھی حصہ بن چکا ہے۔ اشاعت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، ترکی کے اخبار صرف خبروں ہی سے پر نہیں ہوتے بلکہ ان مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے اور تنقید مین بھی ہوتی ہیں۔ ۱۹۱۳ء مین ترکی مین ایک پرچہ بھی نہیں نکلتا تھا اور باوجود یکہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۵ء تک اخباروں کی اشاعت بہت کم رہی لیکن انقلاب کے بعد ترکی کے اخباروں کی تعداد ۸۰۰ تھی جو ترکی، فرانسیسی، عربی اور لاطینی زبانوں مین نکلتے تھے۔ اس مین بہت کم تعداد غیر مسلم کی تھی، جمہوریہ ترکیہ کی اشاعت چار شعبوں مین ہوتی ہے،

سیل الرشاد، (مذہبی میگزین)

محل، (صوفیانہ اخبار)

اجتہاد، (سیاسی)

صفی محبوبہ، (ادبی)

روزناموں کی تعداد برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے جن مین حسب ذیل بہت مشہور ہیں،

اقدام ملین، توحید افعیاء، الیاء، واقفیت، پیام صبح (۱۹۲۲ء) میں بند ہو گیا، وطن اور اقسام،
 ۱۹۲۲ء میں ایک ماہوار رسالہ الحراب قسطنطنیہ سے نکلا، اس کی اشاعت لاطینی رسم خط میں
 ہوتی ہے، اور مذہبی، فلسفیانہ اور تاریخی نقطہ نظر سے موجود اسلام پر روشنی ڈالتا ہے، اس کے مدیر ایک نہایت
 قابل شخص ہیں،

انگورہ کے اخبار تجد ترقی کر رہے ہیں، اور ذیل کے پرچے نکلتے ہیں،
 کلمہ، عین کن، عین ترکیہ، اور شمیر،
 شام میں ایک ترکی ادب چھپسٹن عربی اخبار نکلتے ہیں، خاص بیت المقدس سے علاوہ ان اخباروں کے ایک
 ترکی اور پندرہ عربی پرچوں کی اشاعت ہوتی ہے،

۲۔ مصر، عرب اور عراق

مصر میں اخباروں کی اشاعت کا بیڑا اول اول گورنمنٹ نے اٹھایا، عربی کا پہلا اخبار ۲۰ نومبر ۱۸۲۲ء کو قاہرہ
 سے نکلا، اس کا نام الوقت المصری تھا جو ترکی اور عربی میں نکلتا تھا، دوسرا اخبار یکم جنوری ۱۸۲۸ء کو بیروت ملک شام
 سے نکلا، اس کا نام حدیقۃ الاخبار تھا اور یہ عربی اور فرانسیسی زبانوں میں نکلتا تھا، بیروت سے دوسرا عربی اخبار ۱۸۲۹ء
 میں نکلا، جاری ترقی مصر میں بہت اچھی ہوئی، اور ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو گا کہ کس قدر ترقی ہوئی،

سال	اخباروں کی تعداد	سال	اخباروں کی تعداد
۱۸۹۲ء	۴۰	۱۹۰۹ء	۱۴۴
۱۸۹۹ء	۱۶۶		

اخباری آزادی مصر میں بہت جلد مل گئی،

مسلمانوں کی تعداد جو عربی بولتی ہے ۴۵,۰۰۰ ہے، عربی اخباروں کا مرکز مصر قاہرہ، بیروت،

دمشق، بغداد مکہ اور مدینہ ہی جیسے شہر تین ہیں، بلکہ اسلامی دنیا کے ہر مرکز سے عربی اخباروں کی اشاعت ہوتی ہے
انجیل المائین دو عربی اخبار نکلتے ہیں جن میں سے پہلا اخبار ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا، کلکتہ میں ایک عربی اخبار ۱۹۵۲ء
سے نکلتا شروع ہوا، ترکی اور مصر کے انقلابی اشخاص نے جو دنیا کے دوسرے ممالک میں شہر بدر کر دیئے گئے تھے،
ایک ہیجان برپا کر دیا، اور ان مقاموں سے انجاری دنیا میں پیچ پکار کرنے لگے، ان اخباروں کی اشاعت سپر
قسطظنیہ، سوئٹزرلینڈ، اور جنوبی امریکہ جیسے ملکوں سے ہوئی،

عربی اخبار اکثر اوقات اٹلی، فرانس، لندن، تھلس، نیویارک اور فلیدلفیا سے جاری ہوئے ہیں، اگرچہ
۹۰ فیصدی عربی بولنے والی آبادی ناخواندہ ہے، لیکن اسپر بھی اخباروں کا کافی اثر لوگوں پر ہے، مصر اور شام صفت
میں ہیں، عربی اخباروں کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں جیسا کہ ذیل نقشہ ظاہر
دنیا میں عربی روزنامہ اخباروں کی اشاعت ۴۴ ہے جو حسب ذیل مختلف مقاموں سے نکلتے ہیں،

قاہرہ (۹۶) اسکندریہ (۲۸) باقی مصر اور سوڈان (۶) بیروت (۳) بیت المقدس (۵) قسطنطنیہ (۱۳) جافہ
(۲) بغداد (۳۲) بصرہ (۹) طرابلس شام (۹) دمشق (۲۳) ہاما اور حموز (۱۱) لبنان (۲۴) حلب (۱۵) لائیپک (۳)
باقی ترکی (۱۱) پیرس (۱۵) مارسیلی (۱) لندن (۴) سارڈینیہ (۱) مالٹا (۱) لینن گراڈ (۲۱) الجزائر (۶) مراکش
(۳) ٹیونس (۲۶) طرابلس غرب (۳) نیویارک (۱۲) بیونس آریس (۵) ساؤ پاولو (۸) راڈیو بحیرہ (۲)
مانیٹرل (۳) باقی امریکہ (۸) زنجبار (۲) سنگاپور (۲)،

عربی میگزینوں کی اشاعت ۲۳۹ ہے جو ذیل کے مقاموں سے نکلتے ہیں،

قاہرہ (۱۲۱) اسکندریہ (۲۴) باقی مصر (۴) بیروت (۳۴) قسطنطنیہ (۱) جافہ (۱) بغداد (۴) طرابلس
(شام) (۳) دمشق (۵) ہاما اور حموز (۴) لبنان (۸) حلب (۲) باقی ترکی (۶) مارسیلی (۱) الجزائر (۱) مراکش (۱) ٹیونس
(۴) لکسنو (۱) نیویارک (۵) بیونس آریس (۳) ساؤ پاولو (۲) مانیٹرل (۱)

عربی اخباروں کی مصر میں نمایاں ترقی ہوئی، ۱۹۵۹ء میں اخباروں کی تعداد ۱۶۹ تھی اور ۱۹۶۳ء میں

۲۸۴ ہجری مسٹر مینٹ مگر نئیون کی اشاعت نوے سے اوپر اور پھر وڈیل کی باؤن میں تھے ہیں صرف مسٹ اخبارن کی تعداد بجا رہی ہے۔

زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد
عربی	۵۷	انگریزی	۴	یونانی	۸	مالینز	۱
فرانسیسی	۱۲	لاطینی	۴	آرمینیا	۳	ہبرو	۱

موجودہ زمانہ کے لحاظ سے روزانہ اخباروں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے جنگ عظیم سے قبل ایک روزانہ عربی کی اشاعت تھی۔
لیکن اب ہر ایک روزانہ کی اشاعت ۴۰۰۰ سے کم نہیں ہوتی، کچھ کے شمار اخبار ذیل کے ہیں جس کے سب سیاسی ہیں۔

الاسہرام، الخاتم، البلاغ، رودنیل، التحریر، الاخبار، اور السیاستہ،

المنابر اور رسالوں میں صف اول میں جو کی دنیا شیخ محمد بنے ڈالی تھی اور ان کے مرنے کے بعد ان کے شاگرد رشید سید صفی
الکوتری دی یہ سالہ نبی ہو اور اسکے ہر نمبر میں کلام پاک کی تفسیر اور کتب کے تبصرے و تنقیدیں نکلتی ہیں لیکن اشاعت بہت کم ہوتی ہے،
جنگ عظیم کے زمانہ میں اخباری دنیا کے متعدد شدید نقصانات اٹھائے ہیں، مگر کے اخبار ہندوستان
سے محبت اور ترکی سے براہ راست تعلقات رکھتے ہیں جس سے سیاسی نقصانات اکثر اخبارات نے اٹھائے اور گورنمنٹ نے

اکثر مطبع ضبط کر لیے، الامال ایک ہونہار اخباروں میں سے ہے،

عرب زیادہ تر اپنی خبریں قاہرہ سے لیتا ہے، خلافت کے زمانہ تک کوئی عمدہ اخبار نہ نکلتا تھا سو اسے گورنمنٹ
کونٹ کے جو اکثر بھرہ اور بغداد میں آتے تھے، ۱۹۱۷ء میں انقلاب کے بعد، لیکن طباعت اسکی قاہرہ سے ہوئی، ایک
سیاسی پرچہ تھا اور کچھ دنوں تک اسکا بہت دور دورہ رہا جس کے پیچھے امر اسے مکہ کام کرتے تھے، سلطان ابن سعود
کے زمانہ سے جب وہاں یون نے زور پکڑا یہ اخبار قریب قریب بالکل بند ہو گیا، جو اور ایک نیا اخبار ام القریٰ جاری ہوا
مسوئہ امیر میں حالت بہت ناگفتہ بہ ہے، بغداد جیسے مشہور شہر سے صرف پانچ اخبار نکلتے ہیں اور بھرہ سے
دو، لیکن اب اخباروں میں ترقی کی لہر دوڑنے لگی ہے، المفید اور الاستقلال سیاسی اخبار ہیں جو گورنمنٹ اور

(باقی)

دوسری سیاسی جماعتوں پر تنقیدیں لکھتے ہیں،

”آئینہ بخت“

از

جناب حافظ احمد علی خان صاحب شوق، سابق ناظم کتب خانہ راجپور

راجپور کے مشہور سرکاری کتب خانہ میں فیاض کی کتب تاریخ کے سلسلہ میں ایک قلمی تاریخ ”آئینہ بخت“ نام موجود ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی ایک تصنیف ہے، اس کے مولف کا نام نجات خاں ہے، قیصر کا کتابت ۱۰۶۷ھ میں لکھی گئی، اس خط نستعلیق معمولی، نہایت پیوند کار، آب رسیدہ، اکثر جگہ سے حرف اڑ گئے ہیں، کمین کہیں صفحے بھی کم ہیں، کتابت بھی بہت غلط ہے،

آغاز کتاب ”الحمد لله ذي الجود بافضل انواع النعماء“

آغاز صفحہ ۲، محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی اول صفحہ کسی اور کتاب کا ہے، اور اصل تاریخ دوسرے صفحے سے شروع ہوئی ہے، مگر دیکھا چاہے چند ورق نہیں ہیں، صفحہ ۳ میں مولف لکھتا ہے: ”در سبیل ضمیر مولف این مجموعہ جامعہ تسمیہ آن آئینہ بخت کہ ہم نام است و ہم تاریخ“ آئینہ بخت کے عدد ایک ہزار اچھتر^{۱۰۶۸} یہ تاریخ کتابت کے شروع کرنے کی ہے، پھر لکھتا ہے: ”کہ میں نے اس تاریخ کو جدید طرز پر ایک مقدمہ تاریش اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے، اور ہر آرایش میں چند نمائش ہیں اور ہر نمائش میں چند نمود“ لیکن آرایش مہتم جس میں اورنگزیب کا ذکر ہے، اس کا نام بجائے آرایش کے سپریش رکھا ہے، بہر حال اس کتاب میں باہر کے وقت سے شاہجہان کے عہد تک مختصر حالات ہیں مگر عالمگیری کی وہ سالہ حکومت کے واقعات بالتفصیل ہیں، آرایش اول شامل بروز نمائش، نمائش اول میں باہر بادشاہ کے مختصر واقعات ہیں، واقعات کے علاوہ باہر کی تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے،

رانا سچانک کی لڑائی میں شیخ زین خوانی مولف تاریخ باہری کی موجودگی بھی بیان کی ہے، نمائش دوم

میں ہمایوں کے حالات ہیں، نمائش سوم میں اکبر کے حالات اور ہر سال کے محل واقعات کا بیان ہے، نمائش چہارم میں جہانگیر کے حالات ہیں، نمائش پنجم میں شاہجہان کا مختصر ذکر ہے، آرائش (بغیر نمبر) میں عالمگیر کے حالات ہیں، اور مولف کہتا ہے "حلت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہیں"، اور اس آرائش کو تین پیرائش پر تقسیم کیا ہے،

نمائش اول (غالباً کتاب کی غلطی ہے، پیرائش ہونا چاہئے) اس میں عالمگیر کے بادشاہ ہونے کے قبل کے واقعات اور وہ سال حکومت کے واقعات ہیں، ۱۶۵۷ء میں شاہجہان کی علالت کے وقت سے واقعات وہ سالہ شروع کرتے ہیں ۱۶۵۷ء میں عالمگیر تخت نشین ہوا، ہر سال کے واقعات بالتفصیل ۱۶۵۷ء تک ہیں، صفحہ ۶۴۴ کے بعد چند ورق کم ہیں،

پیرائش دوم میں عالمگیر کے عادات و خصائل، اولاد کے نام، ممالک محروسہ کی کیفیت، سلاطین معاً کے نام، اس پیرائش کو چار نمائشوں پر تقسیم کیا ہے،

نمائش اول، اس میں عالمگیر کے شامل کا بیان ہے، مورخ کہتا ہے کہ مین ہر وقت حاضر خدمت سلطانی رہتا ہوں، اس لئے مجھے مفصل عادات پر اطلاع ہے، نمائش دوم میں اولاد کا ذکر ہے، اور نمائش سوم میں ممالک محروسہ کی مساحت کا بیان ہے، نمائش چہارم میں عالمگیر کے معاصر بادشاہوں کا ذکر ہے، نمائش کوئی ہندسہ نہیں ہے، مشتمل بر دو نمود، نمود اول در ذکر مشائخ گرام صفحہ ۴۴۰، در ذکر علما این عصر نمائش سوم (غالباً نمود کی جگہ غلطی سے نمائش لکھ دیا ہے) خوشنویسوں کے حالات،

نمود اول صفحہ ۴۰۰، بیان بعض عجائب وغرائب راجع سکون،

نمود دوم، ذکر برے اثر آثار بمقدار این امیدوار کرم پروردگار،

بفضل الرحمان تجا و خان، اس میں انہی تالیفات اور تصنیفات کو بیان کیا ہے،

نمود سوم میں انہی تعمیرات کی تفصیل بیان کی ہے،

صفحہ ۸۴ سے بترتیب حروف تہجی شعرا کے مختصر حالات اور ان کے شعرا کا انتخاب ہے،
صفحہ ۹۲ پر مرزا غازی ترخان کا حال ہے، جو جاگیر کے عہد میں قندھار کا حاکم تھا، اسکی کتاب نامی
سے یہ تین شعر نقل کئے ہیں،

بہ بلغ از قند مکس از روے یار بود نوک ہر خار ر رشک بہار
بہ آب از بشوید و زلف سیاہ بتاثر سنبل شود ہر گیہ ۵،
غرض کہ آغاز اور انتہا میں اس کتاب ناقص ہے،
راجہ جسوت سنگھ سے جب عالمگیری کا مقابلہ ہوا اس موقع پر لکھتا ہے:-

”و جامع این شگرت نامہ اصفت الانسان بنجا و رخاں کہ ہمہ اوقات با حرا سادات خدمت
حضور پر نور مستعد است دران وقت در رکاب بودہ شرف اندوز دولت مشاہدہ طلعت
نورانی حضرت خلیفہ الرحمانی بود“

شجاع کی جنگ میں عالمگیری کے ہمرکاب تھا، اجمیر میں دار شکوہ کی مہم میں شریک تھا، ۳ ذیقعدہ
۱۱۹۹ھ میں بیابلیں سالہ جشن وزن قمری عالمگیری میں اسکو خانی کا خطاب ملا، سال ہفتم جلوس عالمگیری میں
مطابق ۱۲۰۰ھ ایک خاصہ کا گھوڑا مع ساز عطا ہوا، ملا عبداللہ پیر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے بہت دوستی تھی
مولف اپنی تالیفات کے متعلق لکھتا ہے، کہ ایک تو میری تاریخ آئینہ بخت ہے اس کے علاوہ منظر لطیف
عطار اور شنوئی مولانا دم کا انتخاب کیا حکیم ثنائی، عطار اور مولانا دم کے کلام کا انتخاب کیا اور اس کی خود
تاریخ لکھی۔ ۱۰۔ ۵

این نادرہ مجموعہ معنی کہ بصورت سرخوش قدحے پرزے دکش و ناب است
چون گشت تمام از مدو طبع سخن باب تاریخ شد..... لب سر کتابت
اخیر مصرع میں کتابت سے کوئی لفظ رہ گیا ہے،

تاریخ روضہ الاحباب کا انتخاب کر کے اس کا تاریخی نام احباب نبی (۱۰۸۰ء) رکھا، تاریخ الفی کا انتخاب کیا اس کی یہ تاریخ لکھی،

چون انتخاب کے است ز تاریخ احمدی، تاریخ صحیح آن شدہ زمان انتخاب کے صاحب کے دیوان کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ مجموعہ نظم و نثر لگا دیا، اس کا تاریخی نام ترتیب... (کاغذ بیان کرم خوردہ ہے) ایک بیاض کلام نظم و نثر اساتذہ سے ترتیب دی جس کا نام دکنش رکھا اور تاریخی نام "مجموعہ شعر ہائے رنگین" رکھا، جس کے عدد ۱۰۸۰ ہیں،

مولف اپنی عمارتوں کے بیان میں لکھتا ہے کہ میں نے نواح شاہجان آباد میں ایک سرے بنائی اور اس کا نام بختاور نگر رکھا، سرخوش شاعر نے ذیل کی تاریخ لکھی،

دہلیوں عمد عالمگیر شاہ ،	زیب تخت و تاج و فرزدین و داد
بہر تعمیر سراے دکنش،	خان بختاور کف ہمت کشاد
چون شد این معمورہ دکنش بنا	دہر بختاور نگر نامش نہاد
خواست طبع سرخوش جام سخن	سال اتمش ز فیض بامداد
شاد و خرم زوبر آمد راہ رو،	گفت بختاور نگر آباد باد

بختاور نگر آباد کے اعداد ۱۶۹۵ ہیں، راہ رو کے عدد ۱۶۲۰ ہیں، ۱۶۲۰ عدد کے تخذہ کے بعد ۱۰۰ عدد رہتے ہیں اس کے سوا اور بھی تاریخیں اور عمارتوں کی پوری تفصیل لکھی ہے، جس میں مسجد، حمام وغیرہ بھی ہے،

ایک باغ لگایا جس کی یہ تاریخ ہے،

در زمان شہ دین عالمگیر،	کہ از و کھنہ شدہ مستاصل
خانہ جم مرتبہ بختاور خان	منزلے ساخت منزہ ز خلل

قتل میگشت پے تاریخش ، آمد از غیب بنا باغ محفل ،
(۱۰۸۱ء)

باغ کے محفل ایک بختہ تالاب بنایا، اس کی تاریخ ہے،

منبع فیض آمدن سرچشمہ آب بقا منبع الفیض ارشود تاریخ اکن باشند روا
(۱۰۸۳ء) سرے سے آدھے کوں پر ایک پہاڑی میں بند باندھ کر پانی کو تالاب میں جمع کیا، بخت وزیر اور
فرید آباد کے درمیان ندی تھی، اس کا پل بنایا، اس کی تاریخ ہے، گزرگاہ عالم شہ قدام رسول کے متصل
بختا پور نامی ایک عمارت بنائی، اس میں مسجد مع طاق تیار کرانی، مسجد کی یہ تاریخ ہے، -

بختا ور خان بعون فضل معبود مسجد بقدم رسول برپا فرمود

تاریخ بنائے آن خرد ثبت نمود اندر قدم رسول شد جائے سجود
(۱۰۸۶ء)

اس مسجد کے شمال میں اپنے لئے قبر بنوائی، اور قبر کے جنوب میں جماعت خانہ، عرس کی مجالس کے
واسطے اور مہمانوں کے قیام کے لئے عمارت بنائی، ایک کڑا بھی وہاں تعمیر کیا، اعز آباد میں ایک باغ تیار کیا
جس کی تاریخ ہے، "برف زمین بہشت" (شہ) لاہور میں باغ فیض بخش کے متصل ایک باغ لگایا اس کی
تاریخ ہے، باغ عجب شہ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار کے پاس مسجد تعمیر کی، عالمگیر نے بھی اس
نماز پڑھی اس مسجد کی تاریخ ہے، فو لی و جھک شطلم المسجد الحراہ شہ، اس کے علاوہ اگرہ، لاہور اور
برہان پور میں بھی عمارتیں بنائیں، انکا ذکر مولف نے نہیں کیا ہے،

عبدالرسول تخلص استغنا، شیخ کمال تخلص آفری (جس نے فتوحات بدائع و اوقات عالمگیری
کو بارہ ہزار بیت میں نظم کیا) اور تحسین شاعر ازاولاد کمال خجندی وغیرہ شاعر نے بختا ور خان کی مدح میں
قصائد لکھے ہیں، -

فہرست کتب فارسی قلمی برٹش میوزیم سے معلوم ہوا کہ بختا ور خان نے مرآت عالم نام تاریخ لکھی ہے
اس کی تصنیف کی تاریخ بھی آئینہ بخت ہے، اور آرائش کے نام سے سات حصے ہیں، ساتویں آرائش

کے حالات اور اس آئینہٴ بخت موجودہ رام پور کے حالات کیساں ہیں، اور فصولوں کی تقسیم بھی وہی ہے، غالباً ابتدا میں مولف نے صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے اور اس کا نام آئینہٴ بخت رکھا، جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہے، پھر اسکو وسعت دی اور مرآتِ عالم نام رکھا، اور سنہ تالیف آئینہٴ بخت قائم رکھا،

برٹش میوزیم میں جو نسخہ مرآتِ عالم کا موجود ہے، اس کے خاتمہ پر اس کے مبنی فرزند غالباً ساتی مستدخان) نے لکھا ہے کہ بختاور خان نے مختصر حالات کے بعد سپندرہ ربیع الاولیٰ سنہ ایکہزار چھیانوے ہجری میں، احمد نگر میں انتقال کیا، اور نگر میں اس کے لئے بہت رویا، اور خود نماز جنازہ پڑھائی، اور بختاور پور میں اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں دفن ہوا، یہ ایک خواجہ سراج تھا،

سہارن پور کے کوئی بزرگ مرآتِ عالم کی تالیف کے مدعی بتائے گئے ہیں، و اللہ عالم بالصواب، معارف: ص ۵۷۳ الامرا جلد ۳ مشہور کلکتہ) نے اپنی کتاب آثار الامرا میں بختاور خان خواجہ سراج کا ایک جگہ ذکر کیا ہے، "آثار الامرا جلد ۳ مشہور کلکتہ) اور اس کی کتاب مرآتِ عالم کا حوالہ اپنی کتاب کے مقدمہ (مشہور کلکتہ) بسلسلہٴ آغاز کتاب دیا ہے،

دیوانِ غالب

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی نے دیوانِ غالب کا یہ نہایت عمدہ پاکٹ اڈیشن مطبع کاویانی برلن میں ٹائپ میں چھپوایا ہے، کتاب کی جلد بالکل مذہب ہو اور استادینِ مرزا غالب کی رنگین تصویر دی گئی ہے، اب تک دیوانِ غالب کا اس سے بہتر اڈیشن شائع نہیں ہوا ہے، ضخامت ۲۷۶، صفحے، قیمت ہے

”مینیجر“

تَلْخِصْ بَصْرَكَ

ہندوستان کا قدیم تمدن

پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ

عام خیال تھا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے سنہ قبل میلاد مسیح تک بالکل وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اسکے بعد ایک نو وارد قوم افغانستان وغیرہ سے آئی، اور اس نے ہندوستان میں تمدنی بیداری پیدا کی، لیکن مغربی ہندوستان کے شمالی حصے بالخصوص وادی سندھ میں جو آثار قدیمہ دریافت کئے گئے ہیں، انھوں نے ہمارے خیال کو بالکل بدل دیا ہے، اور ہندوستان کے مغربی کنارے پر سر جان مارشل نے آثار قدیمہ کے جو پچھے ہوئے خزانے زمین کے اندر سے نکالے ہیں، ان سے ایسے شہروں کا پتہ چلتا ہے جنہیں سب سے قدیم شہر کی تاریخ چار ہزار سال قبل مسیح ہوا اور اسکی تاریخ کا سرکاری تخمینہ ۳۰۰۰ قبل مسیح کیا گیا ہے،

سب سے عجیب بات یہ ہو کہ ہم کو ہندوستان میں ایسے شہروں کے آثار ملتے ہیں جنکی تاریخی قدامت پانچ ہزار سال کی ہے، اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ کہ ان شہروں کا طرز زندگی بالکل موجودہ زمانے کے طرز زندگی سے ملتا جلتا ہوا ہے، موجودہ اردو کے آثار دریافت ہونے سے پہلے یہ کہو خیال تھا کہ پھر کے مکانات میں جن کا سلسلہ تنگ اور کشادہ مرکون کے دونوں کناروں پر چلا گیا ہے، اس دور کا وہ زمانہ میں اس قدر نزاکت اس قدر پائیداری اور اس قدر شان پائی جاسکتی ہو، کہ مصر عراق میں بھی ان کی نظیر نہیں ملتی،

زمین کے نیچے جو تمدن دفن ہے، اسکی تحقیقات میں بعض یورپین لوگوں نے بڑی ناموری حاصل کی ہے،

لیکن اس سلسلہ میں ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے ایک متوسل کو جس کا نام بنجی تھا، ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء کے موسم سرما میں ایک مندر کی تاریخی تحقیقات میں اسی قسم کی ایک نمایان کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ اس سے تحقیقات میں اس کو چند کسے ملے، جن سے اس کو معلوم ہوا کہ دوسری صدی عیسوی میں یہاں بعض بدھ سنیا سی رہتے تھے اور اس نے مندر کی بنیادوں کی تحقیقات کی تو اور بھی حیرت زدہ ہوا، کیونکہ اس کو پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک ایسی مضبوط عمارت کا پتہ چلا، جو مندر کی دیواروں کی اینٹوں سے مشابہ تھی، پھر اس کو چند مہرین ملے، جو اس سے پہلے صرف عراق کے شہروں میں مل چکی تھیں، جن سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ زیر خاک عمارتیں نہایت قدیم زمانے کی ہیں۔

سرجان مارشل نے بھی گزشتہ سال اسی قسم کی مہرین ہاریا میں پائی تھیں، جو موجودہ دور سے ۱۰۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے ان تمام باتوں سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے قدیم تمدن کی بہت کمایا دگارین ہندو کے مغربی شمالی حصے میں زمین کے اندر چھپی ہوئی ہیں، اور اس طرح ان دونوں مقامات (موجودہ دور ہاریا) میں مسلسل تحقیقات کی گئی، تو ہندوستان کے قدیم تمدن کے متعلق بہت سی اصولی باتیں معلوم ہوئیں،

ایک قدیم مہم | موجودہ دور دوسرے میں اور ہاریا پنجاب میں واقع ہے اور دونوں پارسوسیل کے فاصلے پر واقع ہیں، ان دونوں مقامات میں تحقیقات کی گئی، تو ایسے آثار کا پتہ چلا، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ۷۰۰ سال سے زیادہ زمانے سے آباد تھے ان تمام آثار میں سب سے زیادہ عجیب ایک شاندار عمارت کا سراغ ملا، جس کے اندر ایک بڑا حوض تھا، جس سے یا تو حمام کا کام لیا جاتا تھا، اور بعض مذہبی تہواروں کے موقع پر اس میں نہان ہوتا، یا گھڑیاں یا بعض مقدس پھل پانی جاتی تھیں اس حوض کا طول ۱۵۰ راج، عرض ۲۳ راج اور عمق آٹھ راج تھا، پانی میں اترنے کے لئے اس کے دونوں جانب سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں، حوض کی زمین اور دیوار پر بھر بھری ہوئے تھے، جن پر نہایت نازک اور پائدار کام بنا ہوا تھا، دیوار میں پختہ اینٹ کی بنی ہوئی تھیں اور گارے سے بڑی ہوئی تھیں، اور اندرونی دیوار کے اوپر تار کول لگا ہوا تھا تاکہ پانی نہ اتر کر کے حوض کے متصل ایک نالی بنا ہوا تھا جس پر چھوٹا پانی بندا ہوا تھا، اور اس نالے کے ذریعہ سے حوض کا پانی شہر کے باہر بہایا جاتا تھا، اسی

حمام کے قریب اسی کے مشابہ ایک اور حمام بھی تھا لیکن وہ نیکستہ ہو چکا تھا،

اور بھی بہت چھوٹی چھوٹی مکانات اور دوکانیں دریافت ہوئیں، کھدائیوں کے شہر اور مین بھی اسی قسم کی عمارتیں نکلی ہیں، لیکن یہ موجودہ دارو کی عمارتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، بالخصوص وہاں ایسے نالے نہیں پاؤں گے جو مختلف حماموں سے گندے پانی کو ایک حوض میں جمع کر کے نہر کے باہر بہا دیں،

وضع مباس | بابی زبان میں روٹی کو "سندھو"، اور یونانی زبان میں "سندن" کہتے ہیں، اور ان دونوں الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وادی نہر سندھ روٹی کی کاشت کا اصلی مرکز تھا، اور اس لحاظ سے یہاں صنعت پارچہ بانی کو خاص طور پر فروغ حاصل تھا، اور ان نو دریافت شہروں کے کھنڈروں میں کپڑوں کے جو بعض ٹکڑے ملے ہیں، ان سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ مرد کمزین دھوٹی باندھتے تھے، اور سادہ یا زربفت کے کام کی چادر شانے پر ڈالتے تھے، اور داڑھی اور مونچھ کبھی کبھی موٹا ڈالتے تھے اور کبھی کبھی رکھ لیتے تھے، سر کے بال کو اکٹھا کر کے جوڑا باندھتے تھے، لیکن ایک عورت کا ایک ایسا مجسمہ ملا ہے جسکے بال دونوں شانوں پر پکڑے ہوئے ہیں، تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اس وقت کی عام وضع تھی، لیکن اپنی جگہ کے لوگ بالکل برسرہ رستہ تھے، اور عورتیں صرف اس قدر کٹیر استعمال کرتی تھیں جس سے ان کی سر پوشی ہو سکے، بلکہ ایک رقا صہ کا مجسمہ بالکل برہنہ حالت میں پایا گیا، لیکن ہر طبقہ کے مرد اور عورت مختلف قسم کے زیور مثلاً ہار، انگوٹھی اور عنبر استعمال کرتے تھے، البتہ پاریز عورتوں کا ٹھوکر زیور تھا،

موشی | بیل بھینس، بکری، سور، کت، گھوڑا، اور ہاتھی، ہندوستانیوں کے پالو جانور تھے، اونٹ اور بلی کا پتہ نہیں چلتا، جنگلی جانوروں میں چیتے اور ہاتھی کا پتہ چلتا، ہی شیر کا نہیں چلتا،

زراعت | زراعت اور آبپاشی کے طریقوں کا جو پتہ چلا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہے، البتہ موجودہ دارو میں گیہوں کے جو اقمام دریافت ہوئے ہیں، وہ وہی ہیں جو اب تک پنجاب میں پائے جاتے ہیں، لیکن سالانہ بارش اوس سے زیادہ ہوتی تھی، جبکہ سندھ اور پنجاب میں اب ہوتی ہے،

غذا | ان دونوں شہروں کے باشندوں کی غذا یہ تھی، دودھ، روٹی، گائے، بکری اور سور کا گوشت کھیا، نہر سندھ کی تازی مچھلی، اور خشک مچھلی جو سمندر سے آتی تھی، اور اس کا ثبوت اون مختلف قسم کی ہڈیوں سے ملتا ہے جو مختلف گھروں میں پائی جاتی ہیں،

زیورات | امراء سونے، چاندی، ہاتھی دانت، عقیق، ایشب اور مختلف رنگین پتھروں کا زیور پہنتے تھے، لیکن غریب لوگ سیپ وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے تھے چنانچہ اس قسم کے ہار، بالیان اور خالص سونے کی سونیاں بکثرت دستیاب ہوئی ہیں، اور اس قدر صاف و شفاف ہیں، کہ اس زمانے کے بڑے بڑے ہونہالوں پر فخر کر سکتے ہیں،

ادزار اور ہتھیار | سونے چاندی کے علاوہ اور بھی بہت سی دھاتیں مختلف کاموں میں استعمال کی جاتی تھیں، مثلاً ہتھیار اور خانگی استعمال کے برتن اور آرائش کے سامان تیل سے بنائے جاتے تھے، اور اوس کو مغرب میں بلوچستان، مشرق میں راجپوتانہ، اور شمال میں افغانستان سے لاتے تھے، البتہ قلعی ہندوستان میں کیا ب تھی، اس لئے غالباً وہ خراسان وغیرہ سے لائی جاتی تھی، لیکن خالص قلعی کا استعمال نہیں کرتے تھے، بلکہ اوس میں تیل ملا کر کانس بناتے تھے، اور اوس سے تیز ہتھیار مثلاً آہ، چھوٹے چھوٹے مجسمے اور معمولی زیور بناتے تھے، اگرچہ کانس کو خالص تیل پر تفوق حاصل ہے، تاہم چونکہ وہ ایک کیاب دھات تھی، اس لئے اوس کا استعمال بہت کم ہوتا تھا،

لیکن جو ادزار اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہیں، اون کی نوعیت صرف چند پہاڑوں، نچروں تیروں، اور نیزوں سے متجاہز نہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان شہروں کے باشندے جنگجو اور درمیدار تھے، اس کے ساتھ بہت سے پتھر کے اوزار بھی دستیاب ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حجری کی یادگارین بھی اون میں موجود تھیں یہ لوگ سمندر کے کنارے سے سیپ بھی لاتے تھے، اور اس کو مختلف زیورات میں استعمال کرتے تھے،

برتن | لیکن گھر کے معمولی برتن زیادہ تر مٹی کے ہوتے تھے جیٹکی ٹیکلیں مختلف ہوتی تھیں، اور اون میں صنعتی نفاست پائی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صنعت اون میں نہایت قدیم زمانے سے پائی جاتی تھی، اور اس

اوس پر اس قدر زمانہ گزر چکا تھا کہ اوسین نفاست اور بنگلی لگنی تھی، لیکن اون میں اگرچہ چند برتن منٹش اور رنگین ہوتے تھے، لیکن زیادہ تر تعداد سرخ اور غیر منقش برتنوں کی تھی، اور ان پر جو نقش و نگار بنائے جاتے تھے، وہ زیادہ تر ہندوؤں کے اعداد اور بعض جانوروں کی تصویروں سے تعلق رکھتے تھے، جو بخود اردو میں ایک برتن ایسا بھی ملا، جس پر سرخ سیاہ اور سفید نقش بنا ہوا تھا،

تحریر و کتابت | ہر عمارت میں کچھ مہرین بھی ضرور ملتی ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے فن تحریر سے واقف تھے، اور غالباً اوس سے تجارتی کاروبار میں کام لیتے تھے، لیکن یہ مہرین صرف پنجہ مٹی پر ملی ہیں، اس لئے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اوس کے علاوہ وہ اور کن کن چیزوں پر لکھتے تھے، لکڑی اور بعض درختوں کی چھال سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا، (مقتطف اب ت فروری ۱۹۳۷ء) "ع"

محقق طوسی

بعض مذہبی خیالات اور بعض سیاسی واقعات نے اگرچہ محقق طوسی کو عام اسلامی جماعت میں سخت بدنام کر دیا ہے، تاہم ان کی علمی خدمات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، بالخصوص ہلاکو خان کے دربار میں ایک کن سلطنت کی حیثیت سے انھوں نے جواہر علی حدتین کی ہیں، اون کا احسان مسلمانوں کے سر پر ہمیشہ رہے گا، محقق موصوف ۵۹۷ھ میں بہ مقام طوس پیدا ہوئے اور کمال الدین بن یونس موصلی، اور عین المعین سالم بن بدران المعزلی سے جواہر مذہب سیکھتے تھے، تعلیم حاصل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد غالباً معاش کی ضرورت یا سیاسی اغراض سے وہ اکثر قستان اور بغداد کا دورہ کیا کرتے تھے، اور اس سلسلے میں انھوں نے متصم کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، لیکن متصم کے ایک وزیر نے اوسکو اپنی ذاتی مصلحت کے خلاف سمجھا، اور حکم کیا کہ پاس کھلا بھیجا کہ محقق موصوف کی نگرانی کرنی چاہئے، بہر حال اس حالت میں ایک مدت تک انھوں نے قطع موتی میں زندگی بسر کی اور اسی قلعہ میں انھوں نے ریاضی کی اکثر کتابیں لکھیں، غالباً یہ محقق موصوف کی

نظر بندی کا زمانہ تھا، جو ساتویں صدی کے نصف حصے تک قائم رہا، لیکن اس کے بعد ہلاکو خان نے محقق موصوف کی نہایت قدر و منزلت کی اور ان کو اپنے مالک مقبوضہ کے تمام اوقات کا متولی بنادیا، اور محقق موصوف نے اوقات کی آمدنی سے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا، جس میں تھمنا چار لاکھ کتابیں جمع کیں، مشہور ہو کر جب ہلاکو خان نے بغداد وغیرہ پر حملہ کیا تو اس حملہ میں بغداد و شام کا تمام علمی و ریاضی ہو گیا اور اس قدر کتابیں دریا برد گئیں کہ موزین کا بیان اگر مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے تو وہ جگہ کا تمام بانی سیاہ ہو گیا، لیکن محقق موصوف کا سب سے بڑا علمی احسان یہ ہو کہ اس غارتگری میں جو کتابیں برباد ہوئی تھیں، اوشکیا کچھ حصہ انھوں نے اس کتب خانہ کے ذریعہ محفوظ کر لیا، اور اس میں زیادہ تر وہی کتابیں جمع کیں، جو اس لوٹ مار میں ہاتھ آئی تھیں،

ان اوقات کی آمدنی سے انھوں نے دوسرے علمی کام یہ کیا کہ مراثی میں ایک صد گاہ قائم کی جس میں علم ہنر کے متعلق نہایت عمدہ آلات جمع کئے اور بڑے بڑے ریاضی دانوں کو اس علمی کام کے لئے مامور کیا، چنانچہ خود محقق موصوف نے زیتج الایمانی میں لکھا ہے کہ تین نے صد گاہ کے قائم کرنے کے لئے حکماء کی ایک جماعت کو جمع کیا، مثلاً دمشق سے موید بنی کو، موصل سے خورشیدی کو، قنقش سے غفر بنی کو اور خرم دیران سے تفریدی کو، اور ہم سب نے ۷۵۰ میں اس صد گاہ کی بنیاد ڈالی، آثار باقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محی الدین منزلی بھی اس علمی جماعت میں شامل تھے، اور ان کے شامل ہونے کی تقریب یہ ہوئی کہ جب ہلاکو خان نے حلب پر قبضہ کیا، تو اس نے ایک شخص کی آواز سنی، جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ تین خرم ہوں، ہلاکو خان کو محقق موصوف کے علمی ذوق اور اس صد گاہ کے قیام کا حال معلوم تھا، اس لئے اس نے ان کو فوراً مراثی میں محقق موصوف کی خدمت میں بھیج دیا، اور وہ اس علمی جماعت میں شامل ہو گئے،

ان خدمات کے ساتھ محقق موصوف ذاتی طور پر ایک خاص علمی آدمی تھے، اور ہمیشہ محقق و مطالعین مصروف رہتے تھے، انھوں نے عربی اور فارسی میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھی ہیں، اور عقلی علوم میں سے تقریباً ہر فن میں لکھی ہیں، لیکن ان کی شہرت زیادہ تر علوم ریاضیہ میں ہے، اور انھوں نے اس علم کی ہر شاخ پر اس کثرت سے کتابیں لکھی ہیں، جتنے ناموں کی تفصیل کے لئے کئی صغے درکار ہیں، لیکن محض ناموں سے ناظرین معارف کی

دبچپی میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، اسلئے ہم اُن کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہیں، ^{حشیت} (۱) ان تصنیفات کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اول اول علم مثلثات میں اُنھوں نے ایک مستقل علم کی سے کتاب لکھی،

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے اس علم کے متعلق چند واضح اور آسان نظریے قائم کئے،
(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے بعض مشہور ریاضی دانوں مثلاً ثابت اور ابوالوفائے نطریات کا اقتباس ان کتابوں میں شامل کیا۔

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ نے بھی ان تصنیفات کی قدر کی اور ان میں بعض کتابوں کے ترجمے فریچ اور اٹالین زبانوں میں ہوئے۔

محقق موصوف نے ۱۹۳۱ء میں بہ مقام بغداد وفات پائی اور شہد کاظمین دفن ہوئے متوقف بابۃ دہ دیکر
”س“

”ہماری بغاوت کے اسباب“

عنوان بالا کے ماتحت حال میں نیولٹیڈ نے ایک انعامی مقالہ شایع کیا ہے، جو جانوں کے ایک بڑے گروہ میں موجودہ نظام سرمایہ داری کے خلاف جو شور شرابا ہے، یہ مضمون اسی کی ترجمانی کرتا ہے، نیولٹیڈ انگلستان کی مزدور جماعت کا ایک اخباری لیکن سرمایہ داری سے بیزاری کے جو اسباب مقالہ نگار نے پیش کئے ہیں وہ ضرور قابلِ لحاظ ہیں، امید ہے کہ اس مضمون کا ترجمہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہوگا۔۔۔

”ہم غیر مطمئن ہیں بعض اس بنا پر کہ بعض چیزیں وجود رکھتی ہیں، ہم خواہ مخواہ انہیں قبول نہیں کر سکتے، شاید ہم نوجوان لوگ سادہ دل ہوتے ہیں، تاہم کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم نظام سرمایہ داری کے اصول کو یہ سمجھ کر قبول کر لیں، کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہو ہی نہیں سکتا، اسی طرح ایک ایسے نظام کے امکان سے انکار کرنے کی بھی کوئی علت نظر نہیں آتی، جو سبۂ اصول عدل سے قریب تر ہو، چونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ایک بہتر نظام ممکن ہے، اس لئے ہمیں اُس انقلاب کا خوف نہیں ہے، جس کا ہر اس موجودہ دو دین لوگوں

کے دل و دماغ پر مستولی ہو۔

ہم نظام سرمایہ داری سے برگشتہ ہیں، کیونکہ یہ ایک تمدن قوم کے نظام معیشت میں ناکام ثابت ہوا۔ اسکی ناکامی اخلاقی بنیاد پر مبنی ہے، لاکھوں اشخاص ایسے ہیں جو کام کی تلاش میں ہیں، لیکن انھیں کوئی کام نہیں ملتا، ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں کام تو ملتا ہے مگر ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں ملتا، برخلاف اس کے بہتر کردہ لوگ ہیں جو کچھ کام نہیں کرتے، لیکن عیش عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، بنیادی نا انصافی یہ کہ کام کرنے کیلئے آمادہ ہونے ہی سے کوئی شخص کام پانے اور مسائل معیشت کو حاصل کرنے کا سختی نہیں ہو جاتا، ان مسائل پر تعریف انھی چند افراد کو حاصل ہے جو اس حق معیشت کو سب سے زیادہ قیمت ادا کرنے والوں کے ہاتھ فروخت کرتے رہتے ہیں،

لیکن سرمایہ داری کی اخلاقی کمزوری ان اس کی اقتصادی کمزوریوں سے علیحدہ نہیں کیجا سکتیں، ایک بے روزگار زمانہ بائی دیکھتا ہے کہ اس کی بے روزگاری کا سبب کچھ تو یہ ہو کہ اس کے ہم پیشہ دوسرے نان بائی زیادہ سامان تیار کرنے لگے ہیں اور کچھ یہ کہ اس جیسے بے روزگار لوگوں میں خریداری کی استطاعت کم ہو گئی ہے، چنانچہ وہ شیشیری اور بے روزگاری کو دنیا کے لئے عذاب الہی تصور کرنے لگتا ہے،

بے روزگاری کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں سامان معیشت پیدا کرنے کی قوت متبادل پہلے کے اب زیادہ ہو گئی ہے، لیکن اس کے استعمال کی استعداد (یعنی آمدنی) میں اسی مناسبت سے ترقی نہیں ہوئی ہے، جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہو، نظام سرمایہ داری نے پیداوار کا مسئلہ تو حل کر دیا ہے، لیکن تقسیم کے مسئلہ میں یہ ناکامیاب ثابت ہوا، مزدور ب کی ضروریات کے لئے کافی سامان پیدا کر دیتے ہیں، لیکن خود اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے کیونکہ جو معاوضہ انھیں ملتا ہے، وہ اس بات کے لئے کافی نہیں ہوتا کہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں خرید سکیں،

ضرورت سے زیادہ جو سامان ہوتا ہے وہ ان ملکوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں صنعت و حرفت پر زور نہیں دیا جاتا، مختلف ممالک اپنے اپنے فاضل، لکوان غیر صنعتی ملکوں کے بازاروں میں بھالنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، توسیع سلطنت کا خیال ظہور پذیر ہوتا ہے اور بالآخر نوبت جنگ کی آتی تو

غیر صنعتی ممالک اس فاضل مال کے عوض خود کوئی مال نہیں دیتے، یہ ضرور ہے کہ وہ بھی اپنا مال صنعتی ملکوں کے مال کے عوض باہر بیچتے ہیں، لیکن یہ مال ان کے لئے فاضل نہیں ہوتا، اور نہ اس فاضل مال کا بدلہ ہوتا جو صنعتی ملکوں سے ان کے بازاروں میں آتا ہے،

جب تک دنیا کا بازار پھیلتا رہے گا، یہ نظام بھی نسبتہ کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا، لیکن دنیا کا بازار غیر محدود مدت تک پھیلتا نہ جائے گا، وقت آ رہا ہے جب اس کی وسعت اپنی انتہائی حد تک پہنچ چکے گی، اس وقت تمام تجارتی ملکوں کو معلوم ہو جائے گا، کہ ان کی منڈیاں ختم ہو چکیں، فاضل مال کو دہانہ میں بڑا ہوا ہے، قیمیں کم ہو گئیں، پیداوار گھٹ گئی، بے روزگاری بڑھتی جا رہی ہے، خود اپنا ملکی بازار بھی سروپڑ رہا ہے، اور پہلے سے زیادہ فاضل مال کا ڈھیر لگ گیا ہے، یہ وقت ہو گا جب منافع کم ہو جائے گا، ٹیکس کی آمدنی گھٹ جائے گی، بے روزگاری کو دور کرنے کے مصارف بڑھ جائیں گے، بجٹ کا توازن قائم نہ رہے گا، دنیا سے مالیات کا اعتبار جاتا رہے گا، اور اس اعتبار کے ساتھ پورا نظام درہم دہرہم ہو جائے گا،

مزدوروں کو جو اجرت ملتی ہے، وہ اس قدر ناکافی ہوتی ہے، کہ اس سے وہ خود اپنی پیداکی ہوئی چیزیں بھی خرید نہیں سکتے، سرمایہ داری کے اس نظام اجرت کو توڑنا ضروری ہے، بہن مال اس لئے نہ پیدا کرنا چاہئے کہ اسے فروخت کر کے اس کی آمدنی سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیم کر دی جائے، بلکہ پیدا کردہ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے تمام افراد قوم کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، سرمایہ داری کے خلاف ہماری بنیاد کے اسباب یہ ہیں کہ اس کے نتائج نے بہن بیزار کر کے نہ صرف ایک تحرشی تنقید پر مجبور کیا ہے، بلکہ ہم میں تعمیری کام کی بھی خواہش پیدا کر دی ہے، اور ہم امید کرتے ہیں، کہ ایک بین الاقوامی اشتراکیت قائم کر لیں گے،

ایکجا علیہ

میسورین چھ ہزار سال کے آثارِ قدیمہ

اسٹیشن کی اطلاع ہو کہ ریاست میسورین چٹالدرگ کے قریب جو دادی چندراوٹی میں واقع ہے نہایت اہم آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں، وہاں کی زمین کھودنے سے متعدد طبقاتِ ارض کا پتہ چلا ہے جو کسی زمانہ میں آباد تھے، ان میں سے بعض آٹھ سو اور بعض چھ ہزار سال قدیم ہیں، ان آثار کی اہم ترین چیزوں میں راجہ میسورین (MAYURASARMAN) کا ایک کتبہ ہے جو ایک چٹان پر لکھا ہوا ہے، یہ پراکرت زبان میں ہے اور انکا سنہ کی بت نہ ۲۵۰۰ء خیال کیا جاتا ہے، اس میں راجہ نے متعدد دسویں اور دہ فرمانرواؤں پر جنہیں سے بعض اُس وقت شمالی ہند میں شہرت رکھتے تھے، اپنی فوجی کا ذکر کیا ہے، اکتشافات کو دیکھنے سے چھ مختلف طبقوں کے آثار معلوم ہوتے ہیں، بہت ترین طبقہ میں عہدِ حجری اور عہدِ آہنی کے لوگوں کے آثار ملتے ہیں، اس زمانہ کی مٹی کے برتنوں سے جو برآمد ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ فنِ کوڑہ گری میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے، یہ چیزیں زیادہ تر قبرستان کے قریب پائی گئی ہیں جانِ کثرت سے سنگی تابوت بھی دستیاب ہوئے ہیں، ان کے علاوہ چھٹاق اور دوسرے اقسام کے پتھروں کے بنے ہوئے مختلف آلات اور اوزار بھی ملتے ہیں جو اپنی صنعت کے لحاظ سے بہت خوب ہیں، ان میں سے چاقو کے پھل اور کھرپے زیادہ صفائی سے بنے ہیں، بعض حصوں میں پتھر اور دھات دونوں طرح کے آلات برآمد ہوئے ہیں، ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ اب سے چھ ہزار سال قبل کے ہیں، اس طبقہ سے اوپر جو طبقہ ہے اس کی قدامت کا اندازہ دو ہزار سال سے تین ہزار سال تک کیا جاتا ہے، اس میں علاوہ مٹی کے برتنوں کے ایک سنگی ہنر پائی گئی ہے جس کی چھت محرابی ہے، اس میں اینٹ کا بنا ہوا ایک نل لگا ہے جس کا قطر بائیس

لنچ ہے، پانی اس نل سے ہو کر ایک خوبصورت لنگی حوض میں گرتا تھا، اس طبقہ کے آثار سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وہاں خاندان ستاواہن (SATAVAHANS) حکمران تھا، اس میں شہنشاہین کہ اس مقام پر ان لوگوں کا ایک شہر آباد تھا، کیونکہ وہاں ایسے متعدد سکے اور مہرین ملی ہیں جن پر ان اجا کے نشانات ہیں، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے خوبصورت مجسمے اور دوسری چیزیں سونے اور ہاتھی کی بنی ہوئی ان جگہوں میں پائی گئی ہیں جنکی ظاہری شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہاں کسی ستاواہن راجا کا محل رہا ہوگا، لیکن ان سب بالاتر وہ طبقہ ہے جو خاندان ہوسلا (HOYSALA) کے نام سے موسوم ہے، یہ مشہور خاندان گیارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان میسور میں حکومت کرتا تھا۔ وہاں بھی بہت سے سکے، مجسمے اور دوسرے آثار قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں۔

ترکی صحافت کی تاریخ

اب سے چند ماہ قبل قسطنطنیہ میں صحافت کی صد سالہ یادگار کے سلسلہ میں ایک نمائش منعقد کی گئی تھی مینیسٹر گارین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ترکی میں صحافت کی بنیاد اول اول دو غیر ملکی انخاص نے کھینچی تھی ایک فرانسیسی اور دوسرا انگریز تھا، لیکن اس تحریک کا اصل محرک اور سرپرست سلطان محمود ثانی تھا جس نے اپنی فہرست اصلاحات میں صحافت کو شامل کر کے ایک فتویٰ اس مضمون کا شائع کرایا کہ اخبارات شرعاً ناجائز نہیں اور ان سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے، سب سے پہلے جس کو اخبار نکالنے کی اجازت ملی وہ بلیک بے (BLACQUEBEY) نامی سمرنا کا ایک فرانسیسی تھا اور پہلا ترکی اخبار "تقویم وقائع" اسی کے اخبار "مونٹیر اڈون" (MONITEUR OTTOMAN) کا ترکی اڈیشن تھا، یہ استنبول سے شائع ہوتا تھا اور اس کا پہلا نمبر ۳۱ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو نکلا تھا، اس کے بعد ہی چرچل (CHURCHILL) نے جو انجمن کے اخبار مورنگ ہرلڈ کا نامہ نگار تھا، اجازت حاصل کی، یہ اجازت جس طریقہ سے حاصل کی گئی وہ بھی تاریخ صحافت میں ایک نہایت عجیب واقعہ ہے، ایک روز شکار میں اتفاقاً چرچل کے ہاتھ سے ایک ترکی بچہ

زخمی ہو گیا، اس جرم میں وہ قید کر دیا گیا، اس وقت سلطنت ترکی میں غیر ملکی باشندوں کو بعض مخصوص حقوق حاصل تھے، چنانچہ ان کے لیے علیحدہ عدالتیں بھی قائم تھیں جنہیں انہی کے ہم قوم بیج اور مجسٹریٹ ہوا کرتے تھے، چونکہ چرچل کی گرفتاری اور قید بغیر ان عدالتوں کے وکیل کے عمل میں آئی تھی اس لیے ان تمام حکومتوں نے جنکو یہ حقوق حاصل تھے نہایت زور کیساتھ صدارے احتجاج بلند کی اور بالآخر سلطان نے چرچل کو رہا کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ تلافی یافتہ کر دینی چاہئے، چرچل نے ایک اخبار نکالنے کی اجازت چاہی، اور اسکو یہ اجازت عطا کی گئی، چنانچہ اس اجازت کی بنیاد پر دوسرا ترکی اخبار ”جریدہ حوادث“ ششہءین جاری ہوا، یہی زمانہ جنگ کریمیا کا تھا، ”جریدہ حوادث“ میں سرکاری اطلاعات و بیانات شائع ہوتے تھے اور یہ پہلا اخبار تھا جس نے ترکوں میں اخبار بینی کا ذوق پیدا کیا، لیکن ترکی صحافت ہنوز مہتر حکومت ہی کے زیر اثر تھی، اعیانے جو پہلے ایک صوبہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا، پہلا ترک تھا جس نے صحیح معنوں میں ایک ترکی اخبار جاری کیا، یہ اخبار جسکا نام ”ترجمان“ تھا اور جو ششہءین جاری ہوا پہلا ترکی اخبار تھا جو حکومت یا غیر ملکی اشخاص کی مدد کے بغیر صرف ترکوں کے رویہ سے نکلا اور جس نے ترکی قوم کے خیالات کی ترجمانی کو اپنا نصب العین قرار دیا، ”ترجمان“ کے اجراء سے ترکی صحافت کا دور جدید شروع ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی سیاسی خیالات کی وہ رواج و یورپ میں تیزی کیساتھ پھیل رہی تھی ترکی میں بھی پہنچی اور وہ ان کے اخبارات میں روز بروز سیاسی آزادی کا رنگ غالب نظر آنے لگا،

برٹش میوزیم میں جدید فارسی عربی مخطوطات

عال میں برٹش میوزیم نے عربی اور فارسی کے دس نادری نسخے حاصل کئے ہیں جنہیں سے ایک عربی و فارسی ہیں، فارسی مخطوطات میں بہترین حضرت قزوینی عطار کے کلیات میں جنکے صفحات زیر نقش و نگار سے آراستہ ہیں، دوسرے نسخے حسب ذیل ہیں :-

(۱) غزلیاتِ امیر خسرو، مکتوبہ سلطان علی شہدی، مشہور خوشنویس، ۸۶۶ھ (۱۴۶۱ء)

(۲) منظوماتِ امیر خسرو، منقولہ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء)

(۳) امیر خسرو کی دو نظمیں ”ہشت بہشت“ و ”آئینہ اسکندری“ انیس رنگین تصویروں کے ساتھ،

سترہویں صدی میں نقل کی گئیں،

(۴) ”ہفت اورنگ“ جامی، مع رنگین تصاویر، منقولہ ۹۸۸ھ (۱۵۸۱ء)

(۵) شہنوی ”گل و نوروز“ از جلال طلیب، ابتدائی سوہویں صدی میں لکھی گئی،

(۶) غزالی شہدی کی ایک عارفانہ فارسی نظم جو ۱۰۰۰ھ میں نقل کی گئی،

(۷) دیوانِ غنی، اٹھارہویں صدی،

(۸) اٹھارہویں صدی کا ایک نسخہ جہین علم ہیئت پر دو فارسی رسالے ہیں،

(۹) کتابِ زبور عربی زبان میں، اٹھارہویں یا ابتدائی انیسویں صدی کی لکھی ہوئی،

ان کے علاوہ ابو عبد اللہ المصعب ابن عبد اللہ ابن المصعب کی تالیف ”انساب القریش“ کا ایک

نقص نسخہ بھی میوزیم کو دستیاب ہوا ہے، اس میں قریش کے نسب اور اسلام سے قبل عربوں کی تاریخ

سے متعلق بہت مفید معلومات ہیں، جہاں تک معلوم ہے اس کتاب کا صرف ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے،

اور وہ بوڈلین لائبریری میں ہے، لیکن یہ نسخہ بوڈلین کے نسخہ سے کسی قدر مختلف اور غالباً قدیم تر بھی ہے،

یہ ۱۰۳۰ھ (۱۶۱۷ء) میں نقل کیا گیا ہے،

”ع ز“



ایستیا

جنون بہار

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان طاہر

گرمست فست بر گل و گبر سر خارے دیوانہ شد از جلوه حسن تو بہارے
در یاد کے مشغلہ ام جامہ دیدن دست است بہ کارے و دلم در کف یاسے
ہر شام چو مشاطہ بہ آرایش زلفت ہر صبح بود حسن تو آئینہ داسے
او مضطرب از شوخی و من از پیشِ دل آنسوے نہ تاب است و نہ این سوختہ کاسے
خواہی کہ بہ عرفان برسی ترکِ خودی کن این نکتہ خوش آمد ز بادہ گاسے
کیفے عجب از نرگسِ مخور تو دارم صد میکہ قسربان اگر این ست خاسے
در پیشِ جمال تو ز غم نالہ و تقسم از غمہ خود دست چو بلبُل بہ بہاسے

طاہر دل روشن طلب از جلوه ایمان

کے روشنی شمع رسد زیرِ مژاسے

نوائے شعلہ ریز

از مرزا احسان احمد صاحب بی لے ال ال بی علیگ، اعظم گڑھ

لے ہوئے تجسمیان نظر جو حسنِ یار کی نہ کچھ خزان کا خوف اب نہ فکر کچھ بہار کی

ترسے نشا دور دے مجھے وہی بہنِ نعین
نشا جس پہ راجتینِ حرمِ شہر یا رکی
بلند کر ذرا ابھی، کچھ اور ذوقِ عاشقی
فصلِ غمِ مین دیکھ پھر تجلیانِ بہا کی
ہر ایک ذرہ رکوشِ جالِ برقی طور پر
اڑا کے دیکھ اسے مباہکِ مرے عباد کی
درِ حرم پر بیٹھ کر نصیبِ اہل ہوش کو
کہاں وہ سجدہ ریزانِ جینِ باؤ خواہ کی
اتھالے ایک جام سے جو دیکھنا ہے رازِ ہر
کہ جتو ہے سب عبتِ نگاہِ ہوشیار کی
دماغِ دولِ مین بھریے شہزادِ ہر قیاس
نواسے شعلہ ریزے، اک عذیبِ ار کی

دُنیا سے آرزو

از جناب درویشِ بہمان پوری

چشمِ کرم ہے سلسلہ جنیانِ آرزو
اب دیکھنا ہے وسعتِ دامنِ آرزو
ناکامیِ نگاہ بھی ہمتِ شکن نہیں
کیا دلفریب ہے چمنستانِ آرزو
اسے دل ہر اک نفسِ جانگداز ہو
دیکھ مالِ کاوشِ پیکانِ آرزو
بزمِ نیاؤں ناز ہے پیشِ نگاہِ شوق
کتنا نظرِ فریب تھا عسکرانِ آرزو
اشدری دلفریبیِ رعنائیِ خیال
ہر ذرہ کوئے عشق کا ہے جانِ آرزو
اب جوشِ اضطراب ہو جوہرِ سکونِ دل
سرایہِ مسترا ہے پیکانِ آرزو
پہنان ہے ذرہ ذرہ مینِ دنیا سے اضطراب
دیکھے تو کوئی خاکِ شہیدانِ آرزو
تڑپا رہا ہے اور یہ اندازِ بے رخی
دل تو یوں ہی تھا شعلہ بدمانِ آرزو
لے جائے گی کہاں مجھے وارفتگیِ شوق
ہر نفس ہے سلسلہ جنیانِ آرزو
دیکھا تو اک ظلمِ فریبِ خیال ہے
اب تک سمجھ رہے تھے جسے جانِ آرزو
ناکامیِ نصیب کا اسے دیکھ کیا گلہ
مین ہوں ازل سے شعلہ بدمانِ آرزو

بِالْتَقْرِیْطِ وَالْاِیْتِقَانِ

کلیات عزیز

یعنی

مجموعہ کلام جناب خواجہ عسکری الدین صاحب عزیز مرحوم، ضخامت ۸۸ صفحات

قیمت مجلد سے غیر مجلد مصرعہ: خواجہ وحی الدین صاحب ریاضی ڈپٹی کلکٹر عزیز منزل لکھنؤ،

جناب خواجہ عزیز الدین صاحب مرحوم ہندوستان کے اس آخری ددرین جبکہ فارسی شاعری کا چرلغ

بالکل لگی ہو چکا تھا، فارسی زبان کے بالکمال شاعر تھے، اور اس خصوصیت کی وجہ سے بقول مولانا

حبیب الرحمن خان شروانی "لکھنؤ کی سبزی منڈی میں خواجہ صاحب کی بارہ دری گویا خیابان شیراز تھی اسان

دہان پہنچا تو حافظ سعدی کے کمال کی نمک پاتا، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی تک اس خیابان شیراز

کی نمک صرف اسی بارہ دری یا زیادہ سے زیادہ لکھنؤ کے قیصر باغ اور وکٹوریہ پارک تک محدود رہی ہندوستان

کے اور حصے اس نیم عظیم کے جھونکوں سے محروم رہے اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم کے تلامذہ نے اس طبع عطار

کو کھولنا چاہا، اور ان کے سوانح و اشعار شائع کرنے چاہے، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی کسوفی سے یہ غنچہ نامہ

ناشگفتہ ہی رہا، چند پتھر یون نے بے شہد پروبال نکالے یعنی ان کے تلامذہ و متعقدین نے ان کے چند قصیدے

اور چند مثنویان زبردستی طبع کرادین، تاہم خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی میں ان کے تمام کلام کا مکمل گلہ سترہ

بزم کمال دہوسکا، اور قدردانوں کی نگاہیں بہارستان فارس کا یہ دلکش منظر نہ دیکھ سکیں، لیکن اب خواجہ صاحب

مرحوم کے خلف الرشید جناب خواجہ وصی الدین صاحب ٹیپو ڈپٹی کلکٹر نے ان کے تمام کلام کا مکمل مجموعہ نہایت کدوکاوش کیساتھ چھپوا کر شائع کیا ہے، اور اس کاوش و جستجو سے غالباً خواجہ صاحب مرحوم کا اکثر کلام دستِ برزخ سے محفوظ ہو کر ایک کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے آگیا ہے جس کی ضخامت پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے، اسی کے ساتھ موجودہ دور کے بعض ذوق شناسانِ شعر فارسی یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک گرامی نام بھی ابتداء میں درج کیا گیا ہے، جس میں انحصار کیساتھ خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر سنی خیز تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کا مقدمہ ہے، جس میں خواجہ صاحب مرحوم کے سوانح و حالات نہایت دلچسپ ذاتی مشاہدات کے حوالے سے لکھے گئے ہیں، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلام سے مختلف اصنافِ سخن کے انتہا بات درج کئے گئے ہیں، ان معنوی و لفظی بیوں کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نظر فریب ہے، چنانچہ شریعت میں خواجہ صاحب مرحوم اور ان کی سکونتِ بادرہی غیرہ کے چند فوٹو شامل ہیں، اخیر میں خود خواجہ وصی الدین صاحب کا فوٹو اس مقولہ کی یاد دلاتا ہے کہ ”اقول باخر نیستہ دار“،

ان مراتب سے گزرنے کے بعد اہل کلیات کی ترتیب شروع ہوتی ہے، جس کی ابتداء غزلوں سے کی گئی ہے، اس کے بعد قصائد، قطعات، مخمس اور مہمت بند سب ایک سلسلے میں درج کئے گئے ہیں، پھر ثنویان شروع ہوتی ہیں، اور انھی کے سلسلے میں ان کی تشریحات بھی درج ہیں، جبکہ صفحہ الگ دیئے گئے ہیں، پھر تاریخی قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے بعد رباعیوں کی باری آتی ہے، پھر تقریبات وغیرہ کے مختلف رقعات درج کئے گئے ہیں، اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائے عشق کی غزلیں سامنے آتی ہیں، پھر متفرق نظموں کی باری آتی ہے، جن میں مخمس، نعتیہ غزلین، قطعات، تاریخ، نعتیہ قصیدے، مہمیں، مہمیں، رقصے سب کچھ شامل ہیں، پھر ابتدائی کلام کا بقیہ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد مثنوی گلگشت کشمیر، نمبر آٹا اور اسی سلسلے میں ان کی تشریحات بھی داخل ہیں، ان سب کے بعد نثر کا حصہ ہے، جو زیادہ تر مکتوبات پر مشتمل ہے، اخیر میں وہ تاریخی قطعات درج ہیں جو خواجہ صاحب مرحوم کی وفات پر مختلف شعرا نے لکھی ہیں

لیکن افسوس ہے کہ یہ ترتیب قابل اطمینان نہیں ہے، چنانچہ مولانا عیسیٰ الرحمن خان شروانی اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں،

”اہل نظر ترتیب عیالات و کچھ کمرسور نہ ہونے لگے یہ بغوت ہے خواجہ دمی الدین کی مشکلا

کا اور اُس دشواری کا جو حصول کلام و ترتیب میں پیش آتی۔“

معنوی حیثیت سے اس مجموعہ کی ترتیب ایک اہم اعتراض جو کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ نقد سے ترتیب کلیات کا عام اور مداول طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قصائد درج کئے جاتے تھے، اس کے بعد مثنویوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، پھر غزلوں کا نمبر آتا تھا، اور آخر میں قطعات، رباعیات، ماسدس، مخمس، اور مراثی وغیرہ شامل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس مجموعہ میں قصائد سے پہلے غزلیں درج ہیں، اور قصیدوں کے بعد مثنویوں کا سلسلہ بھی قائم نہیں رکھا گیا، بلکہ مثنوی پر بیضا اور قیصر نامہ کے بعد تاریخی قطعات، رباعیات اور رقعات درج کئے گئے اس کے بعد خواجہ حسن مرحوم کے ابتدائی کلام کو جو تقریباً بال کمال غزلوں پر مشتمل تھا، بلاوجہ غزلیات کے سلسلے سے الگ کر کے درج کیا گیا، اگر سب سے پہلے ابتدائی دور کی غزلیں درج کیجاتیں اس کے بعد کہنہ مشقی کے زمانہ کی غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا تو نظم و ترتیب کے ساتھ ساتھ دونوں زمانوں کی غزلوں کا موازنہ بھی آسانی سے کیا جاسکتا،

بہر حال یہ نقش اول ہے اس لیے یقین ہے کہ طبع ثانی میں ان بے ترتیبیوں کے دور کرنے کی کوشش کیجائے گی اور نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوگا، کہ

نقاش نقش ثانی بہتر کشد از اول

لیکن موتی بہر حال موتی ہے، نظم و ترتیب سے اگرچہ اسکی خوشنمائی و دلربائی میں اضافہ ہو جائے، لیکن اس کی قدر و قیمت قعر سمندر میں بھی کم نہیں ہوتی، پھول ہاروں میں گندہ کر اگرچہ بہت زیادہ نظر فریب ہو جاتے ہیں، لیکن اُن کی خوشبو محض چمن میں بھی علیٰ حالہ قائم رہتی ہے، اس بنا پر خواجہ صاحب

کے کلام کی ترتیب میں وہ خوش نائی اور رعنائی بنین پائی جاتی، جو اس پیکر حسن و جمال کے نمایان شان ہو۔
 تاہم کما حسن جمال اپنی اصلی حالت میں قائم ہے، اور ایک دیدہ ور کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ذوق صحیح کی عینک لگا
 اور اپنی آنکھوں کو اس جلوہ گاہ حسن کے نظارے سے روشن کرے، مختلف دیدہ درون نے خواجہ صاحب
 مرحوم کے کلام کو اسی عینک سے دیکھا ہے، اور اب ہم بھی اس کو اسی ذریعہ سے دیکھنا چاہتے ہیں،
 غزل خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک اجمالی تبصرہ خود کلیات کے شروع میں شامل ہے، یعنی ڈاکٹر
 سر محمد اقبال کا جو گرامی نامہ عرض حال کے بعد درج کیا گیا ہے وہ درحقیقت خواجہ صاحب مرحوم کے کلام
 پر ایک پرغیر تنقید ہے، جو ان مختصر الفاظ میں لکھی ہے۔

”خواجہ صاحب ادبیات فارسی کے اُس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ابتداء نمنشاؤں کے ہوتی۔“

لیکن اس دور کے شعرا مثلاً عونی وغیرہ کے کلام میں جو پیچیدگی اور اسٹائل پسندی پائی جاتی ہے
 اور جس کا خاندہ شاعر کے بجائے معاویہ کی صورت میں تبدیل وغیرہ پر ہوا، خواجہ صاحب مرحوم کے
 کلام میں اس کا مطلق وجود نہیں پایا جاتا، بلکہ وہ نہایت صاف، روان اور سستہ و سادہ کہتے ہیں، خواجہ
 صاحب کا تیشی رنگ بھی موجود ہے، مثلاً،

چاک کن جامہ ہستی کہ شود او پیدا تا گر میان نذر دگل نکند بو پیدا

وہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خود را بخا صان شاہ سے بخشیدے نوشیدہ خود را
 تشبیہات کی لطافت جو اس دور کی امتیازی خصوصیت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام میں بھی
 نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے مثلاً

غزہ را چشم تو بر خوغم اشارت فرمود کہ زابر و میان برزدہ دامن برخواست

ستمگری بگذارد و بد لبری بگذر دل است ال غنیمت نہ مال اوقاف است

خیال او کہ ز چشم نے رد و گاہ ہے چو سیلی بسیدہ خیمہ نظر بند است

زمین مرغِ چمن صیدِ جگر خستہ دوست بوئے گل نیز نگر سے ز قفسِ رستہ دوست
نقشِ تمثالِ دستِ اینمہ پیداد نہان دو جهان در نظرم ابرو پیوستہ دوست
مازِ شام بر آید اگر بامِ آن ماہ زمین کوے او از سجده پرستارہ کنم
فلسفہ و تصوف کی چاشنی بھی جیسا کہ اس دور کے شعرا کا انداز ہے، جابجا نہایت لطیف شعرا
پیرائے مین پائی جاتی ہے، ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں کہ "غزل مین ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے
اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کیساتھ ادا کر جاتے ہیں، مثلاً

دو غنیمتِ دو عالم ز گلشنِ صنوبر یکے شگفتہ کیے ناشگفتہ است ہنوز
دل پر معرفتِ اسردہ و پترِ مردہ مباد کابنِ گلِ سرسبد آرایشِ گلہ ستہ دوست
خضر و این نیتِ حیاتِ ابدی پا دانش است بندہ بے ادب از بندِ اہل جستہ دوست
سے وئے ہر دو و بمقصود رساند کہ نیست رہبر سے بہتر ازین رہگذر سے بہتر ازین
لن ترانی کہ جوابِ ارنی یافت کلیم خواستِ نظارہ او دیدہ و رے بہتر ازین
بے خودی را ہمسرِ راہِ خدا هست عزیز برد از خود کہ نباشد سفر سے بہتر ازین
خود خواہ صاحبِ مرحوم کی غزلوں سے عارف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس دور کے مشاہیر شعرا
کے کلام کو سامنے رکھ کر غزل گوئی شروع کی ہے، اور اکثر ان زمیون مین غزلین لکھی ہیں، جنہیں اس دور
کے مشہور شعرا نے طبع آزمایاں کی ہیں، مثلاً یہ غزلین

مرا خود کشتہ و افگندہ در حیرتِ جانے را بیتخ از ہر کے پرسد کہ گشت این خستہ جانے را
عمرن در یاس و حرمان از غم دنیا گذشت واسے بر جانم چو امر و زم اگر فردا گذشت
وئے کہ رستہ ز قیدِ خرد و خردمند است اسیر دوست کہ بے قید و بند در بند است
باریکہ بر بنداشت فلک آدم آن گرفت کا ہے سبک بین کہ چہ کویہ گران گرفت

آنالک سحر طلبش چار سو گسند اسے کاش در حرم دش جستجو گسند
 بیگانہ ہم پر پریش احوال مارید درد اکہ کار مایہ محبت کجا رسید
 نظیری کلیم اور نظوری وغیرہ کی زمینوں میں لکھی گئی ہیں، خود خواجہ صاحب فرماتے ہیں،
 سکے از نظوری و ز نظیری رسد غزیز فیضے کہ از کلام الہی بار رسید
 لیکن ان صیادان معانی کے علاوہ ایک مرغ بلند آشیان اور بھی ہے جس کی ہمعنفی خواجہ
 محتاج حوم نے کی ہے، گو غزیز و انگسار سے ان کو خود اعتراف ہے،

حدیث حافظ شیراز و گفتہ ہائے غزیز ہماں حکایت زرد و زوبور یا بان است
 یہ غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی گئی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلیات میں اور بھی متعدد
 غزلین خواجہ حافظ کی زمینوں میں ملتی ہیں، مثلاً

در غم و غصہ بہ تیغ تو براتم دادند زہری خواستم تا آب حیاتم دادند
 غمین مباش کہ اندوہ و غم نخواہد ماند جہاں ہر چہ جزا و بیج ہم نخواہد ماند
 چو دلبران مہم خواہند دل چہ چارہ کم بنسیر ازین کہ دل خویش پارہ پارہ کم
 چشم بد و در سویم گذرے بہتر ازین گذرے بہتر ازین و نظرے بہتر ازین

شعراے ایران کے علاوہ میرے خیال میں خواجہ محتاج حوم کی شاعری پر لکھنؤ کی اردو شاعری کا بھی
 کسی قدر اثر پڑا ہے، آتش و ناسخ کے زمانے سے لکھنؤ میں شاعری کے دو مختلف اسکول قائم ہو گئے تھے
 ناسخ اور ناسخ کے تلامذہ مضمون آفرینی پر جان دیتے تھے، اور آتش اور آتش کے تلامذہ لطف زبان کے
 ولدادہ تھے، اور یہ رنگ ناسخ کی طرز سے زیادہ مقبول تھا، رعایت لفظی اگرچہ دونوں اسکولوں میں
 مشترک تھی لیکن آتش اور آتش کے تلامذہ نے اس میں بہت زیادہ لطافت پیدا کی تھی، اور ناسخ کی لفظی
 مناسبتوں میں جو عجب اپن پایا جاتا ہے اسکو بہت کچھ دور کر دیا تھا، خواجہ محتاج حوم کے کلام میں جو سلاست و

روانی پائی جاتی ہے، اور جابجا "کالمیخ فی الطعام" انھوں نے نہایت لطیف انداز میں جن لفظی مناسبتوں سے کام لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے لکھنؤ کی اس نئی آئین کے چند پیالے بھی نوش کئے ہیں، مثلاً ان اشعار میں دیکھو کہ رعایت لفظی کس قدر لطف دے رہی ہے،

بقدر یار چہ نسبت درخت طوبی را نخور فریب دروغ کہ راست مانند است

گو گن فکر سلسل ہم پئے دیوانگان آنکہ بہر ساعہ حسین یا رم یارہ کرد

غیت خالی از خیال لغت رعایان سرے این بلا از عالم بالا کجا نازل نشد

ہر سحر بوسے خوش پیک صبا می آرد بو کہ می آید ازین پس خبرے بہتر ازین

از قضا گر نظر لطف توافقت دہما چشم داریم کہ افتد قد سے بہتر ازین

نئی شود دین آن ماہ مہربان ہر چند بچرخ عہدہ پر خاش با ستارہ کم

بہر حال شہسنگی زبان اور جوش بیان (جو خواجہ حافظ کا امتیازی وصف ہے) کے لیے کسی انتخاب

کی ضرورت نہیں، خواجہ صاحب جویم کے کلام میں عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، بالخصوص جہاں وہ خواجہ

حافظ کے مخصوص رنگ میں غزل کہتے ہیں وہاں یہ خصوصیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے، مثلاً

ز قول واعظ شہر اعتبار باید کرد عمل بگفتہ جنگ و رباب باید کرد

پے صبحی مختصر پس از قبا با من نہاں بنجاک خے از شراب باید کرد

ز خرقہ ہاس مرقع کہ در خور خرق است چہ تر چرخ شک بہر را غرق آب باید کرد

بیاکہ ما تو ساغر ز نیم بر لب آب جہاں دہر چہ دروغ غرق آب باید کرد

حساب مصیبت بیشمار خویش عزیز حوالہ بر کرم بے حساب باید کرد

چند دل تنگ بہ غنائہ ہستی باشی خیز وزین خانہ برون آئی کہ صحر است

نورجن است کہ شد غلغلہ افکن در بند ورنہ مخجون چہ خبر داشت کہ کیلاہ است

آبِ جوانِ بختِ جامِ بہِ جمشید گزارد
پیشِ من آرا اگر جرئہ مہیا ہے بہت

بطربِ کوشِ یکِ امروذرِ بشرت نے نوش
ہم بغیرِ دایمِ گدازِ غمِ فردا ہے بہت

لیکن خواجہ صاحبِ مومِ مرقعِ غزل ہی نہیں کہتے، بلکہ اور اصنافِ سخن میں بھی استاد کی کا درجہ رکھتے ہیں، انھوں نے غزل کے علاوہ مثنوی اور قصائد بھی لکھے ہیں، اور ان کی شاعری کی شہرت زیادہ تر انھی مثنویوں اور قصیدوں سے ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے مخدوم مولانا حبیب الرحمن خان شروانی اپنی مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"لکھنؤ کے دورِ آخر کو جن اہل کمال پرناز تھا اور بیگانا تھا اس میں خواجہ عزیز الدین مرحوم ممتاز تھے"

امیاز کی وجہ یہ ہے کہ ادبِ فارسی میں کمال حاصل کیا اور ان میدانوں میں علمِ استاد کی بلند کیا

جو متاخرین کی دسترس سے باہر تھے یعنی مثنوی و قصیدہ، اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ مختصر رباعی

ہے جو سب سے مشکل ہے دیکھو مہدیوں کے دوران میں صرف چار پانچ ہی استاد رباعی گذرے

ہیں، حضرت ابو الخیر ابوسعید شیخ الاسلام انصاری، عمر خیام، سحابی نجفی، دل چاہے تو ترمذی کو

بھی یاد کرو، اس نے بھی ایک لطف پیدا کیا ہے،

رباعی کے بعد مثنوی ہے، اس میں اساتذہ کی تعداد میں سے زیادہ نہ ہوگی، مثنوی کے بعد قصیدہ

ہے، اس کے استاد سو کے اندر اندر رہیں گے، سب سے زیادہ آسان غزل ہے، استاد غزل بیسوں

مشاہیر غزل سیکڑوں میں، کمنا یہ تھا کہ خواجہ عزیز صاحبِ امیاز یوں ہیں کہ انھوں نے

مثنوی اور قصیدہ میں جو ہر کمال دکھائے، مذاقِ شعرا بایہ بلند کیا:

اس عبارت سے جو ایک مسلم ناقد فنِ شوکی تراوشِ قلم ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبِ مرحوم کی طبع

بلند نے غزل جیسی آسان چیز کو درخورِ محبت نہیں سمجھا، اس لیے اس میں بہت زیادہ نہیں پھیلے، البتہ مثنوی و

و قصیدہ پہلے ہی سے مشکل تھے، اور اب متاخرین کے دور میں پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہو گئے تھے، اس لیے

خواجہ صاحبِ مرحوم نے ان دونوں کی تجدید کی اور اسی تجدید نے نگارِ فارسی شاعری کا مسلم استاد بنا دیا، اس لیے

ان دونوں اصنافِ شاعری پر تبصرہ کرنا غزل سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے،

قصیدہ | ابتدائے لیکر انتہا تک قصیدہ شعور کے اظہار کیل کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، اس بنا پر صنائعِ بدیع تشبیہ و استعارہ، تلمیح و اشارہ، اصطلاحاتِ علمیہ اور رموزِ حکمیہ زبردستی قصائد میں ٹھوسے جاتے تھے اور ان سے قدرتِ کلام کا اظہار کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری میں غزل جس قدر آسان چیز تھی قصیدہ اس قدر مشکل تھا، صرف قصیدہ کہنا ہی مشکل نہ تھا بلکہ قصیدہ کا سمجھنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ ان پابندیوں کی وجہ سے لازمی طور پر اس شکل پیدا ہو جاتا تھا، اس کیساتھ چونکہ اہل ادب نے تصریح کر دی تھی کہ قصیدہ میں شاندار اور متین و جزیل الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے، اس لیے شعرا نے غلطی سے متین و جزیل الفاظ کے بجائے مغلق الفاظ استعمال کرنے شروع کئے، اور قصائد کو لغات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ بنا دیا، مضمون آفرینی اور جدت طرازی بھی قصیدہ کے لیے ضروری چیز قرار پائی اور ان خصوصیات نے قصیدہ کو ادب بھی مشکل بنا دیا، تدمار و متوسطین کے دور تک قصیدہ گوئی کی یہ تمام خصوصیات قائم رہیں، گو متوسطین نے صنائع و بدائع کا زور کم کر دیا تاہم اور خصوصیات یعنی قائم رہیں، تاہم ان میں غزل کی رنگینی پیدا کی، اس لیے قصیدوں کی نسبت میں بہت کچھ فرق آگیا، اس کے بعد چند مجددین فن نے جنہیں قافی سے زیادہ نامور ہے، قصیدہ گوئی میں ترقی کے دور کو دوبارہ زندہ کیا، اور اس دور سے قصیدہ گوئی کا ایک خاص انداز قائم ہو گیا، جس میں الفاظ کی سناسات و جزالت، لطیف و نادر تشبیہات و استعارات اور مقفی و مسجع الفاظ کا ایک ترنم ریز، اور ولولہ خیز ذخیرہ نظر آتا ہے،

خواجہ صاحب مرحوم نے متعدد قصائد میں یہی مجددانہ روش اختیار کی ہے، اور ان خصوصیات میں وہ کسی طرح قافی سے کم نظر نہیں آتے، بلکہ ایک حرف کی حیثیت سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

مقابل حبیب شد، رقیب عند لب شد بہر کجا خطیب شد ز سامان تنگب شد
حریف دلفریب شد بنغمہ از ہزار ہا،

لیکن باوجود صبح کی پابندی کے سلاست و روانی میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے بلکہ موسیقی کے پیدا ہونے سے اشعار کی روانی اور خوشنوائی میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً

سروشنے دوش، با صد جوش آمد ناگسم از در	سر یا نوش، صاحب ہوش و دانش کوش و دانشور
چمن آمد، چہ وقت آمد چہ آمد، کجا آمد	نسیم آسا، سحر گہ بہر تسکین پیش این احقر
چہ احقر، احقر مضطر، مضطر مضطر بیدل	چہ بیدل، بیدل جانان چہ جانان جان جان در
چو موسیٰ با قوس یا خود قوس آمد بر موسیٰ	چو عیسیٰ از فلک یا خود ملک آمد بہ پیغمبر
چو بادِ عامل از مرتع، چو آبِ سائل از منبع	چو ماہ و کامل از مطلع چو مہر انور از خا در
نہ باد این ہرزہ پور ہر سومر آنرا پورہ در مینو	نہ آب این مایہ وراز جو مر آنرا ہسره از کوثر
نہ کش تیرہ از غم رو، مر آنرا چہرہ در گیسو	نہ خورش زہرہ در پہلو مر آنرا زہرہ زہرہ تر
نزولش نزل را منزل و وصلش وصل را وصل	وجودش جو درامو جد صد و ریش صدر را مصد

لمبا قصیدہ ہے، اور اوّل سے آخر تک مسجع ہونے کے ساتھ روان و برجستہ ہے، الفاظ میں متانت و جزالت ہے، افلاق و غربت نہیں، اس لیے ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، حالانکہ فاقانی و بدر چاچ بلکہ عرفی کے قصائد بھی عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں،

خواجہ صاحب مرحوم نے ایک مختص خصوصیت کیساتھ فاقانی کی زمین میں لکھا ہے، اور اوّل سے آخر تک اسی کے انداز میں لکھا ہے، صبح کی پابندی کے ساتھ، فاقانی کا سب سے بڑا امتیازی وصف تشبیہات و استعارات کی لطافت و جدت ہے، لیکن وہ متاخرین کی طرح خیالی تشبیہیں نہیں پیدا کرتا بلکہ قدامت کے طریقہ پر محسوس و مادی تشبیہیں پیدا کرتا ہے، لیکن باوجود محسوس ہونے کے ان میں جدت و لطافت پائی جاتی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کی تشبیہات کا بھی یہی انداز ہے، مثلاً،

بہار گشتہ گل فشان، جہان کہنہ شد جہان درختا یگان یگان، رودہ رودہ زمان زنا

بجنش آمدہ چنان کہ مد خواب کو دکان
 چہ فردین چہ مرگان، ہوا چو دیہ ہریان
 کشا و غنجا و حسان
 برنگ شیر خوار ہا
 کشادہ گل رسا لہا، کند بل حوالہا
 کشیدہ مرغ نالہا، بد رس آن مقالہا
 ہوا دہا مالہا، بشاخ شاخ لالہا
 چکد ز لالہ ترا لہا بچاک چون خالہا
 نہ لالہا پیالہا
 بدست رعشہ دار ہا
 سحر گمان بیا دحق از طائران فرق فرق
 غزل سرا بدان نسق کہ کو دکان ہم ہنق
 شفیق لعلگون و شوق، چنانکہ در افق شفق
 شگفتہ گل ورق ورق سبزی ابر در عرق
 بہر ورق ملحق طبق
 گہر کند نثار ہا

صرف اسی قصیدہ کی خصوصیت نہیں بلکہ خواجہ صاحب کی تشبیہات کا عام انداز یہی ہے جو تمام
 قائم رہتا ہے، مثلاً

نہ آن گوہر کہ در گوش بہان از گیسوان بسینی
 کہ گوئی بیضہ کنج شک دارد ز اسخ زیر ہر
 فلک پیش از نظور او سمندے بود بے راکب
 جہان پیش از ورود او و سے بود بے نوہر
 آسودہ ہست در کف راقش جہان
 مانند کود کے کہ در آغوش مادر است
 نازم بشہر و شہر پناہش کہ در نظر
 مانند بنوع و س کہ گوئی بھجر است
 آن چون یشے کہ بہ بیند رخ شیر از دود
 دآن چون شیر کہ خورد خون بزر را بش
 خون شب بکہ شود ناقص فاسد بینی
 صورت زنگی مبرص ز نقحان و خل
 برف را بچہ خورد شیردست گلو
 خاک را شتر ایام کشا دست اکھل
 بیضہ از ہم بشگافد کہ رسد بچ بکداز
 طوطی از بیضہ برآید کہ دم سبزہ ز تل
 چون گل امر و زنگد لباس از فرقت
 تو تو خرقہ بہ برداشتن ہر کس چو صل

گل زخو تکم ہر شاخ کشید است سرے بشائے کہ برآمد کف موسیٰ ز بغل
از حدی خوانی مرغانِ سر کوه مدلم آسمان در رہ کشمیر کند رقصِ جمبس
صنائع و بدائع کا خواجہ صاحب مرحوم کو خاص ذوق ہے، اگرچہ کسی قصیدے میں سبح کے علاوہ
اور کسی صنعت کا التزام نہیں کیا ہے تاہم کوئی قصیدہ صنائع و بدائع سے خالی نہیں، جا بجا ان کا استعمال
کیا ہے، اور نہایت لطافت کے ساتھ کیا ہے، مثلاً:

چو بر فروخت چہرہ گل، چراغِ زندگیتھل ز قیدِ تنگ رستہ کل گستہ جملہ بند و غل
گوشِ ہادی بل و قفل است چار قفل ز نند بیدان دہل، کہ کرد نو بہار گل
بنوش چہمہ چشمہ مل کن رچشمہ سار ہا

بیابا گل از چمن بر چمن چمن چمن ببر بنفشہ با سمن بر سمن و من سمن ببر
شقیق از دن بر عقیق از زمین ببر حریق از انجن بر رفیق موتن ببر
صدیق ہچمن ببر حرلیف بادہ خوار ہا

دین چن قدم قدم کشیدہ سرو بن علم سپر غم و بنفشہ ہم کشادہ زلف خم بہ خم
چہ شاگم چہ مسجد، ہی چکد زابر نم کمن خیال کیف و کم بنوش ے فروزن کم
نگہ بجاہ دم بہ دم نہ یک دو بار بار ہا

ریش قاضی ز کف بادہ پرستان ریش است فرق صوتی ہمہ ازدست حرلیفان شدہ کل
بود یادش، شو د ذکرش زو دلکش رسد نفیش بہر محفل بہر منزل بہر کشور بہ ہر بندر

محضر حن ترا مہر بعنوان شدہ است ختم خوبی بتواسے خاتمِ خوابان شدہ است

مین از مین ببت کان عقیق است ہنوز طائف از مقدم تور شک گلستان شدہ است

یوم گوئی کہ ہمہ یوم و برودم گرفت بام شام از اثر شومئ ترکان شدہ است

سرورِ سرو بہم بر سر کین است بہ بین شاہِ بلغاریہ غارتِ گر ایمان شد است
مضمونِ آفرینی قصیدے کا اصلی عنصر خیال کیجاتی ہے، یہاں تک کہ بعض شعراء مثلاً خاقانی اور بدر
نے اس قدر غلو کیا ہے کہ قصیدے کو معما اور چستان بنا دیا ہے، لیکن اہل ادب نے قصائد کے حق کا جو
معیار قائم کیا ہے، انہیں مضمونِ آفرینی داخل نہیں ہے، بلکہ قصیدے کا اصلی زیور، محاکات ہے، تخیل نہیں
خواجہ صاحب نے اہل ادب کا بتایا ہوا بھی راستہ اختیار کیا ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ ان کے
قصائد نہایت صاف ہشتہ اور روان ہیں، اور ان میں کہیں افلاک و اہام نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے
کہ اس کلیات میں مثنویوں کی طرح قصائد کی تشریح کے لیے کوئی فرہنگ نہیں لگائی گئی ہے،

مبالغہ بھی قصائد کا ایک خاص جزو خیال کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی درحقیقت قصیدہ کا کوئی رکن نہیں
ہے، البتہ شعراء نے قصائد میں زورِ طبع دکھانے کے لئے اکثر مبالغے کئے ہیں، اس لیے قصائد میں مبالغہ
سے کام لینا ایک رسم میں داخل ہو گیا ہے، لیکن خواجہ صاحب اس رسم کے پابند نہیں، البتہ بعض اشعار
میں کسی قدر مبالغہ پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

پنچہ ہا گشتہ حنائی دم دو شیدن شیر لالہ و گل بود از بس خودشِ جدی حل
آنکہ در کاخِ جلالش بفلکِ ہر منیر عنکبوتیت کہ مسکن بودش در عنطل

مثنوی | خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کا ایک بڑا منصفانہ نمونہ مثنوی ہے، اور درحقیقت مثنوی
کے دور میں جو چہرین شاعرانہ کمال کے اظہار کا ذریعہ خیال کیجاتی تھیں یعنی صنائع و بدائع، ترصیع و تخیس،
تلمیح و اشارہ اور تشبیہ و استعارہ یہ تمام چیزیں ان مثنویوں میں موجود ہیں، بالخصوص مثنوی بدیعنا تو ہر
قسم کے صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شرح و فرہنگ کے بغیر یہ مثنوی آسانی کے ساتھ سمجھ
میں نہیں آسکتی اور اسی ضرورت سے اس کے ساتھ ایک فرہنگ بھی لگا دی گئی ہے، قیصرنامہ میں
چونکہ اس قسم کا التزام بالایزم نہیں کیا گیا ہے، اس لیے وہ اس سے زیادہ صاف و روان ہے مثنوی بدیعنا

اس سے بھی زیادہ سادہ، صاف اور روان ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے خاص غیر مصنوعی انداز کو اس میں خصوصیت کیساتھ قائم رکھا ہے، حمد باری تعالیٰ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں،

در جام تو آفتاب ازوے	در کام تو شہد ناب ازوے
کور و بینا و ماہ و خورشید	زوداشته جملہ چشم امید
چشم است و چہ راغ ہر کے را	باغ است و بہار ہر خے را
ہر ذرہ بہر او سحر خیز	ہر صوہ بہ او شب آویز
عالم کہ پر از بدائع اوست	پیکر کدہ صنایع اوست
فرہ و تراش تیشہ او	مجنون، آہوئے بیشہ او
شکرش، شکر فرشتگان است	زخمش، نمک برشتگان است
و صفش نہ مجال گفتگو ہست	او ہست بدان صفت کہ او ہست
اندک قدمش قدم بدنیت	ملکیت و وسیع و وسیع حد نیت
دارد حرش بلند اساسے	کا بنارسہ رصد شناسے

اول سے آخر تک یہ مثنوی اسی دلاویز انداز میں لکھی گئی ہے، اور نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نئے ساتھ کوئی فرنگ نہیں لگائی گئی ہے، تاہم چونکہ وہ متاخرین کے ذوق کے مخالف تھی اس لیے یہ برہنہ اور قیصر نامہ کی طرح اس نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی، حالانکہ وہ اپنے طرز بیان کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے،

مثنوی گلگشت کشمیری بہ ارمغان بھی اسی سادہ طرز بیان میں لکھی گئی ہے، اور باوجودیکہ خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے لکھنوی ذوق بینی لفظی صنایع کو جابجا قائم رکھا ہے، تاہم اس میں کہیں آورد و تکلف نہیں پایا ہونے پایا ہے، مثالین ملاحظہ ہوں،

درخون اور پھلون کی طراوت و عداوت کا بیان کس قدر لطیف انداز میں کرتے ہیں،

زنار و نارون تاسرو و شمشاد	نوائین، نوجوان، نوحیز، نوزاد
جنان شان مادر است و دایہ کوثر	ارم شان عمہ و طوبی برادر
تکلم شان بہ تحریک اشارہ	خود ایشان کودک و خود گاہوارہ
بطنی خورده از جوئے غسل شیر	شکر بار آورد ہر کوشود پیر
خوشا بادام کزدے چشم بدور	سیہ کردہ برو چشم طع حور
بصیر دل بود بادام، بادام	کہ چنید در رہ بادام، بادام
بیار اوصاف سیبش اے سخلگو	ہین میدان ہین چو گان ہین گو
رسد از سدرہ اش ہر دم در و کو	مثل باشد کہ سیب و سجودے
بانگشت اشارہ جانب سیب	نمایان میشود آثار آسب
برونش زر، درونش سیم جام است	تو نگون کش این دولت بکام است انھ

مناظر کے وصف میں اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے محاکات زیادہ موزون ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم اس موقع پر اکثر تخیل سے کام لیتے ہیں تاہم ان کی تخیل میں غیر معمولی لطافت و جدت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بھی لطف سے خالی نہیں ہوتی، مثلاً،

خوشا آبلے کہ مشور آن بڈل ہست	زڈل تسیم را نسیم البدل ہست
بود زنجیر با موجش صبارا	جہا بش در گرہ بستہ ہوارا
فلک در جنب او برج جہابی	ملانک اندر و مرغان آبی
جنون غیر است چون آب ہویش	دمنڈاز ہم چو ماہی موجہایش
زبس گردیدہ محبوبہ خویش	زڈل وارد بہار آسینہ دریش

توجہ بکے گیرائے نظر ہا است تماشا کن کہ خوش دام تہاشات
 گریبان جاکی موج از ہواش کتن بہتاب جلو ہایش
 بریا ماہ اندر نقرہ کاری بگلشن زرفشان باد بہاری
 کول از فیض ڈول کرد است روشن چراغے را کہ آبش بہت روغن

خواجہ مرحوم کے شاعرانہ کمال کے ہی تین میدان ہیں، بقیہ مرثی اور قطعات وغیرہ وہ اولاً تو بہت کم ہیں، اور جو کچھ ہیں وہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔

اعلاط | خواجہ صاحب مرحوم صرف فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر ہی نہیں تھے، بلکہ وہ فارسی لغت، فارسی مصطلحات و محاورات پر بھی نہایت وسیع نظر رکھتے تھے، اس لیے ان کے کلام پر اس حیثیت سے نکتہ چینی کرنا سخت مشکل ہے، تاہم جو باتیں سرسری طور پر تنقیدی نگاہ میں کھلکتی ہیں، اُن کا اظہار بھی ضروری ہے، گویا یقینی نہیں ہے کہ ایسا وسیع النظر شخص زبان و محاورہ کی کوئی غلطی کر سکا، بلکہ اس کے خزانہ معلومات میں سندوں کا کافی ذخیرہ ضرور موجود ہوگا،

(۱) لطف در جلوہ لیل منشان نیست کنون یا دوستے کہ شد از دیدن آہو پیدا

اس شعر میں لطف اُسی معنی میں مستعمل ہے جہاں وہ اردو زبان میں استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ سند طلب ہے

(۲) غمزہ را چشم تو بر غم اشارت فرمود کہ زابر و میان برزدہ و امان برستا

”بر غم“ کی ترکیب بالکل اردو زبان کی ترکیب ہے، ایرانی شاعر اس ترکیب کو شاید پسند نہ کریگا

(۳) زبس جو آئینہ اش سینہ صاف شفاف است شد آشکار کہ با من درون اوصاف است

”درون اوصاف است“ کے معنی یہ ہیں کہ اُس کا دل مجھ سے صاف ہو، لیکن کیا یہ فارسی کا بھی محاورہ ہے؟

(۴) من از جمال تو محروم و عالے پر نور جو پاسے شمع کہ تار یک در روشن طراف است

دوسرا مصرع اردو کے اس محاورہ کا ترجمہ ہے کہ ”چراغ تلے اندھیرا“، لیکن اولاً تو محاورات میں تبدیلی جائز

ہنیں حالانکہ ترجمین کی قدر تبدیلی گئی ہے، دوسرے یہ کہ یہ فارسی زبان کا محاورہ نہیں،

نثر | خواجہ صاحب مرحوم فارسی زبان کی نظم و نثر دونوں پر قدرت رکھتے تھے، اور دونوں میں ان کی رنگینیاں اور صنعت طرازیان یکساں طور پر قائم رہتی تھیں، افسوس ہے کہ انھوں نے فارسی زبان میں نثر کی کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی، جو موجودہ دور کے فارسی نثریوں کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی، البتہ چند ورق میں کثیر کی ایک مختصر تاریخ لکھی ہے، اس کے علاوہ ان کی نثر زیادہ تر تقریفات و مکتوبات پر مشتمل ہے، اور تمام چیزیں اس مجموعہ کے آخر میں شامل کر دی گئی ہیں، تاریخ کثیر میں ان کا طریزان بالکل سادہ و صاف ہے، مثلاً

”موفان ہنود نگارندگان کا رخا نہست بود مینوسند کہ کثیر موسوم بہ سنی سر بود سنی نام
زنے بود و سر حوض کلان را می گویند گویا تمام عالم آب بود و دران دیوے آدم خور قبل دیونا
سکونت پذیر بود اطراف و جوائش تباہ و ویران کرد، قضا را عابدے کشف نامی کرد و اعتقاد
اہل ہنود میرہ برہا بود بر کوہ سیمبر گذر کرد این ولایت را بریلا و خراب یافت، عابد را بعد
تقصص دریافت شد کہ دیونہ کو رواج این تباہی است“

یہ واقعات کا عالم تھا جنگی واقعیت رنگینی کے پردے میں چھپ جاتی ہے اس لیے انھوں نے سادہ طریزان سے کام لیا، لیکن جب وہ خیالی دنیا میں آتے ہیں، تو ان کا سحر کا قلم شاخ گل بن جاتا ہے، جس سے صفحات کاغذ رنگین ہو کر تختہ چمن بن جاتے ہیں، چنانچہ کلیات صبا کی پر تقریظ لکھتے ہیں، تو ہر لفظ اور ہر فقرہ استعارہ و کنایہ بن کر قلم سے نکلتا ہے، مثلاً

مشور شکر خدا ہے گل نیک ریاست بلبل دل خستہ را چہ گناہ کہ نالد و جوش ترغہاے بلبل
طرب گیز است گل نورستہ را چہ قصور کہ بنالد، انچہ موسیٰ را بطور سینا تافہ صوفی بسینہ و ساقی برینا،
یافہ ہرزہ آفتاب نوش است و ہنوز تشہ کام، نہ ہے وسعت مشرب، و ہر قطرہ دریا خوش است
و ہنوز ناتمام سفحہ ذوق طلب، خانہ خدایان خانہ از غار و خض پر داغہ اند و ما ہنوز دل از ہوا

دوسرے پر واقعہ ایم، از خود رنگان خدا لاشائے اندو ماہنوز خود را تشا ختم ایم،
 اُن کی شکر کے زیادہ تر نمونے خطوط کی شکل میں ہیں، اور گو خطوط بھی واقعات و حالات پر مشتمل ہوتے
 ہیں، تاہم انھوں نے ان میں بھی زیادہ تر رنگین بیانی سے کام لیا ہے، بالخصوص نفی صنعتوں سے تو اکثر کام
 لیتے ہیں، مثلاً مولوی ریاض حسن خان کو یحییٰ کی رسید اس انداز میں لکھتے ہیں :-

”سبد ہزار دانہ لچو از آسیا سون آوردہ شد، پختہ کاری کار پر داز والا رانا زم کہ با این ہمہ گرما
 یک دانہ ہم را بگان نگرید، و تا اینجا رسیدہ، ہمہ رسیدہ خامہ خام کار در سپاس نگاری با این دُ
 شعر اکتفا کرد“

ایک دوسرے صاحب کو آم کی رسید ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

”انبہاے نورس، از بنارس، با این ناکس، از عربان بن رسیدن علوا، و از اسمان
 فرد آمدن من و سلوی است، ناکسے را شیرین کام، و مخمور مجبور است مدام کرو، ہر چند از
 اعداؤ ان سبوح ساختہ سپاس گذاری پرداختہ آمد لیکن ان سلسلہ استواری و ان رشتہ را تاب
 این گو ہر شہاری ندیدہ“

بہر حال فارسی زبان کی شکر و نظم و نون میں خواجہ صاحب مرحوم کو کمال حاصل تھا، اور اس دور
 آخرین اُن کی نظم و نثر و نون ہمارے لیے فاضل بن کی انشا پر دازی کا بہترین نمونہ بن سکتی ہیں، اسلئے
 خواجہ وصی الدین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان نمونوں کو ہمارے پیش نظر کر دیا
 اور اب ہمارا فرض ہے کہ اس مجموعہ کی قدر کریں، اور اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں،
 ”ع“

لغات جدیدہ

ایکٹرا جہید عربی الفاظ کی دکنٹری، یعنی لغت، قیمت ۵۰

مطبوعات جدیدہ

پیغمبرِ عظیم (دی گریٹ پرافٹ) بہ زبان انگریزی، از جناب الین، کے خالقِ درانی، حجم ۱۶۶ صفحے،
تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، بچوں کے مناسب مٹی ٹاپ مین، قیمت درج نہیں، پتہ:- قومی
کتاب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

اس رسالے میں جناب درانی نے آنحضرتِ صلیم کے مختصر سوانحِ حیات اسکول کے طلبہ کے لیے سلیس
انگریزی زبان میں لکھے ہیں، رسالہ چند ابواب میں منقسم ہے، پہلے باب میں جغرافیہ عرب کا بیان ہے، دوسرے
باب میں باشندگانِ عرب، اور قدیم عربی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا گیا ہے، تیسرے باب میں مذاہبِ عرب کا
حال ہے، اور پھر مختلف ابواب میں آنحضرتِ صلیم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں، رسالہ
میں اگرچہ بعض معمولی تاریخی مسامحات موجود ہیں، لیکن اسکی اہم خصوصیت اسکی جامعیت و ترتیب اور پھر زبان
کی سلاست و روانی قابلِ تعریف ہے جس کو چھٹی ساتویں جماعت کے طلبہ آسانی پڑھ سکتے ہیں، اسلامی مذاہب
کے طلبہ میں اس کو رائج کرنا چاہئے،

پیغمبرِ اسلام - از جناب قاضی عبد المجید صاحب قرشی، حجم ۲۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ
اوسط درجہ، پتہ:- دفتر ایمان پٹی لاہور،

قاضی عبد المجید صاحب قرشی، آنحضرتِ صلیم کے یومِ ولادت کو "تقریبِ یومِ النبی" کی حیثیت سے بطور
یادگار سارے ہندوستان میں منانا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے آنحضرتِ صلیم کی سیرتِ مبارکہ پر
تقریروں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال مختلف اہل قلم سے سیرت پر تقریر لکھاتے ہیں، اور اس کو

ہندوستان کی آٹھ نو زبانوں میں شائع کرنا چاہتے ہیں، اسی سلسلہ میں ۱۹۲۹ء کی تقریر خود موصوف کے قلم سے لکھی گئی ہے، جس کے چند سالے اردو، لیٹلم، ہمال اور گجراتی وغیرہ مختلف زبانوں میں اس وقت ہمارے سامنے ہیں رسالہ سیرت کی مستند کتابوں سے مرتب کیا گیا ہے، موصوف اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کرنا چاہتے ہیں، اسے کچھ ٹکٹ بھیج کر مذکورہ بالا تہ سو یہ تقریر حاصل کی جاسکتی ہیں،

مشکوٰۃ الصلوٰۃ مؤلف مولوی محمد الیاس صاحب برنی، پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد، صفحات ۳۷، صفحہ چھوٹی تقطیع، کاغذ اوسط درجہ کا سبز رنگ، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت

معر مؤلف سے بیت الاسلام حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی محمد الیاس صاحب برنی اپنی مشہور کتاب علم المعیشت اور سلسلہ منتخبات نظم اردو سے فلسفہ و ادب کے حلقوں میں روشناس ہیں، لیکن اوپر چند سال سے موصوف کے قلم سے مذہب و تصوف کے مذاق کی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ جدید رسالہ مشکوٰۃ الصلوٰۃ ہے، اس رسالہ میں آنحضرت صلیم پر درود و سلام کے ورد کے لیے حزب مرتب کئے گئے ہیں، رسالہ سات حزبوں میں منقسم ہے، پہلے تین حزبوں میں قرآن مجید سے صلوٰۃ اخذ کئے گئے ہیں جو اپنے رنگ میں ایک جدید ترتیب کی جاسکتی ہے، پھر احادیث سے درود اخذ کئے گئے ہیں اور اس کے بعد وارد وظائف کے ممتاز رسالوں حزب البحر، اور دلائل الخیرات وغیرہ سے انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق میں یہ رسالہ مقبول ہوگا، رسالہ کا دیباچہ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ہے،

نبیون کے قصے، از جناب خواجہ محمد عبدالحی صاحب فاروقی، ۱۰۰ صفحہ، چھوٹی تقطیع،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶ روپے، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قول باغ دہلی،

جناب خواجہ محمد عبدالحی صاحب فاروقی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے مختصر حالات صرف قرآن مجید سے اخذ کر کے چند صفحوں میں چھوٹے بچوں کے لیے لکھے ہیں، کل ۱۶، ۱۷، ۱۸ انبیاء کرام کے حالات میں

مطالعہ سے بچوں کو مختلف اخلاق حسنہ کی تلقین ہوگی، زبان بھی صاف بہلیں، اور بچوں کے لائق ہو،
تاریخ ظفرہ مصنفہ گروہاری لعل اتھر (۱۸۵۷ء) مرتبہ جناب قاضی تکریم حسین صاحب ایم اے،
 رکن سرشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ ناشر ڈیڑھ صاحب مشرق گو رکھو، حجم ۲۰۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور
 کاغذ عمدہ قیمت درج بہین،

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ انگریز مورخین کی بدولت جس مسخ شدہ شکل میں مدون ہوئی ہے اور ان کی تقلید میں ہمارے دور حاضر کے ہندو مصنفین نے بھی جو رنگ آمیزیاں کی ہیں، ان کی تردید میں و تاریخی بیانات نہایت مستند ہو سکتے ہیں جو ہندو مصنفین کے قلم سے عہد اسلامی میں نکلے ہیں، چنانچہ اس نوع کی کتابیں اب روز بروز شائع ہوتی جاتی ہیں، اور اسی قسم کی ایک تالیف "تاریخ ظفرہ" اس وقت ہمارے سامنے ہے، جس کو قاضی تکریم حسین صاحب ایم اے، نے اپنے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے، اس "تاریخ کا" ظفرہ "تاریخی نام ہے جس سے ۱۸۵۷ء لکھا ہے، اس کے مصنف منشی گروہاری لعل صاحب اتھر ہیں جو حیدرآباد کے باشندہ تھے اور اسی مناسبت سے انھوں نے حیدرآباد کی تاریخ اپنے عہد یعنی ۱۸۵۷ء تک کی مرتب کی ہے، کتاب دو اہواب میں منقسم ہے، پہلے باب میں سلاطین قطب شاہیہ بنائے گلکنڈہ اور شہر حیدرآباد کا تذکرہ ہے، اور دوسرے باب میں شاہانِ چغتائیہ اور فرمانروایانِ آصفیہ کے حالات ہیں، اور یہی باب نسبتاً وسیع ہے، کتاب میں فرمانروائے کے تذکرہ کے علاوہ عمارات و اکنہ کا خصوصیت سے تفصیلی تذکرہ ہے، اور نیز فرمانروایانِ ملک کے ضمن میں سلاطین و فرماں و دستاویزات کا متن نقل کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی، جو منشی گروہاری لعل ایک ایسے دور کے مصنف ہیں جب کہ ہندوستان میں ہندو مسلم قومیت کے منافرت کی غم ریزی بہین ہوئی تھی، اس لیے دور حاضر کے ہندوستان کے تاریخی مباحث میں سے بعض امور خصوصیت سے روشنی میں آتے ہیں، اور اس لیے کتاب ایک تفصیلی تبصرہ کی محتاج ہے، مرتب نے ابتداء میں ایک دیا چھ لکھا ہے، جس میں کتاب کی خصوصیات کا سرسری تذکرہ کر کے حیدرآباد کی تاریخ ابجد ۱۸۵۷ء کا عہد حاضر کا اجمالی ذکر کیا ہے، خصوصاً

موجودہ فرمانروائے حیدرآباد کے عہد تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، ضرورت تھی کہ آخرین اشخاص و اماکن کی فہرست بھی مرتب کر کے منسلک کر دی جاتی، کہ فائدہ اٹھانے میں سہولت ہوتی، اہم مرتب کو اس مفید تالیف کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں،

حالاتِ حَرین مع انتخابِ کلام، از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان

شروانی حجم ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، تہ بندہ دفتر آل انڈیا مسلم یونیورسٹی کانفرنس علی گڑھ،

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی نے آل انڈیا مسلم یونیورسٹی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں حَرین کی آخری خواہگاہ بنارس کی مناسبت سے حَرین کے حالات پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا تھا، اور نیز حَرین کے کلام کا انتخاب بھی پیش فرمایا تھا، اب وہی مقالہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے،

حقیقت کی سیر یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر از مولوی مقصود

احمد صاحب مجددی رامپوری ناشر، منشی سید قربان علی صاحب بے مل دفتر اردو معلق شاہجہا

پریس دہلی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اچھی قیمت بھر

لیکن حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا اردو ترجمہ اگرچہ چند سال گزرے لاہور سے شائع ہو چکا ہے، منشی سید قربان علی صاحب بے مل نے فارسی شعرا کی رباعیات کے منظوم ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، ستر مد و نحو خدام کی رباعیات وہ پہلے شائع کر چکے تھے اب اسی سلسلہ میں انھوں نے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا منظوم ترجمہ "حقیقت کی سیر" کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ مولوی مقصود احمد صاحب مجددی نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور روان ہے، اور ۱۵۷ رباعیات پر مشتمل ہے،

دیوانِ یقین، مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی لے مسٹنٹ ہوم سکرٹری

حیدرآباد دکن، حجم مع مقدمہ ۱۶۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت بہ مجلد عا و غیر مجلد

پر تہ بندہ جناب محمد صدیق حسن صاحب فیروزانجمن ترقی اردو اور نگ آباد دکن،

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے جو اب تک اردو ادب میں محض مزاحیہ مضامین لکھ کر دیکھی کا سامان بہم پہنچاتے تھے اب یقین کا دیوان مرتب کر کے اردو علم ادب کی ایک پائدار خدمت انجام دی ہے، دیوان یقین میں ۱۰۸ صفحوں کا ایک بسیط مقدمہ ہے اور پھر ۶۲ صفحوں میں دیوان کی عزلیں ہیں، مقدمہ کی طوالت کا خاص سبب یقین کے وہ حالات زندگی ہیں، جو اردو تذکروں میں خاص دیکھی اور اسی کے ساتھ حسرت انگیز تأسف کے ساتھ پڑھ جاتے ہیں، مختلف تذکرہ نگاروں نے یقین کے ان حالات پر روشنی ڈالی ہے، جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے مقدمہ میں تمام تذکرہ نگاروں کے بیانات کا جائزہ لیا ہے اور سب پر تنقید کی ہے اور اس سلسلہ میں مختلف تذکرہ نگاروں میں میر تقی میر اور گاسان دمی تاسی وغیرہ کے قائم کردہ الزامات اور جانب دارانہ رایوں کی تردید کی ہے، علاوہ ازیں یقین کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے دیوان یقین پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں ردیف و قوافی کی تعداد تک مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگرچہ یہ موقع پر ہمیں مرتب کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ محض یقین کے اس قول سے کہ ”تم نے سخن کی طرز اس سے اڑایا، ہن“ ہم بھی یقین کر لیں کہ قاتم تیر، سودا اور تابان وغیرہ نے واقعی یقین کے طرز پر غزلیں لکھی ہیں، ہر دور میں خاص طرز رائج ہوتے ہیں، اگر ایک ہی طرز میں مختلف شعرا کی غزلیں ہیں، تو کیا ضرور ہے کہ کسی ایک ہی شاعر کا تمام شعرا نے تتبع کیا ہے، مقدمہ کے بعد دیوان کی غزلیں ہیں، غزلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام غزلیں پانچ پانچ شعر کی ہیں، اور پھر کل غزلوں کی تعداد ۷۰ ہے، جو یقین کے تخلص کے حروف کے مساوی الاعداد ہیں، امید ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی یہ سعی اردو علم ادب کے قدر دانوں کے حلقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

دیوان جاننصاحب مرتبہ جناب نظامی بدایونی، حجم مجموعی ۳۱۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت مجلد ہم پتہ :- نظامی پریس بدایون،

اردو کے ریختی گوشہ شرایین یا در علی تہاں صاحب دور متاخرین کے بالکل شاعر تھے، ان کا

دیوان نظامی پریس بدایون نے اولاً ۱۳۲۵ء میں شائع کیا تھا، جو اپنے نوع کی مقبولیت کے لحاظ سے ہاتھوں ہاتھ بکا، اب اس کا دوسرا ڈیشن شائع کیا گیا ہے، نظامی پریس کی اس ادبی خدمت سے اردو زبان کی ایک خاص صنف کے بہت سے الفاظ و محاورات محفوظ ہو گئے ہیں، نیز اسی کیساتھ واجد علی شاہ کے عہد کے لکھنؤ کی زبانی تہذیب و معاشرت کا مرتع تیار ہو گیا ہے، جناب نظامی بدایونی نے ریختی کے دیوان کی مناسبت سے اس عہد کے شرکے "ریختی نویس" جناب آغا حیدر حسن صاحب دہلوی سے اس پر مقدمہ لکھوایا ہے، مقدمہ اپنے طرز میں دلچسپ ہے لیکن مقدمہ کے مضامین و مباحث میں از سر نو ترتیب و تدوین کی ضرورت تھی، کہ مقدمہ کے تمام مباحث مربوط و مسلسل ہو جاتے، اخوس ہے کہ طبع نانی میں اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی، اس جدید ڈیشن میں جان صاحب کے جدید و مستندہ کلام کا وافر حصہ بھی شامل کیا گیا ہے، دیوان کی ابتداء میں اولاً مرتب کی طرف سے چند صفحوں کا تعارف ہے، پھر ۸۲ صفحوں میں آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کا مقدمہ ہے، اس کے بعد ۲۰ صفحوں میں دیوان کے اواخر میں ۲۶ صفحوں میں دیوان کا فرہنگ منسلک ہے،

ماہ وخت، از جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب حجم ۸۸ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی

قیمت ۵۰ پتہ نمبر صاحب رسالہ دگلڈ از کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب شرر کی وفات کے بعد ان کی لائق ستائش جانشینی کر رہے ہیں، چنانچہ ایک طرف ان کے رسالہ دگلڈ از کٹرہ بزن کی ادارت ہاتھ میں لے ہوئے ہیں، اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ ان کے خدمات کی یاد تازہ رکھیں، اور جسطرح شرر مرحوم ہر سال دگلڈ از کٹرہ بزن ایک ناول پیش کرتے تھے حکیم صاحب نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے، اور یہ ناول "ماہ وخت" جو اس وقت پیش نظر ہے ۱۹۳۷ء کے دگلڈ از کٹرہ بزن میں پیش کیا گیا تھا اور اب کتابی شکل میں شائع ہوا ہے، اس میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے عرب و ایران کی لڑائیوں کو ناول کے طرز میں بیان کیا گیا ہے، اور اسی میں ایک عرب قائد عالم بن عمر و تمیمی اور یزدگرد کی بہن ماہ وخت کے عشق کی داستان شامل کی گئی ہے

مضامین

۲۲۲-۲۲۳	سید سلیمان ندوی	شذرت
۲۲۴-۲۲۵	سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین	کیا عالمگیر کے محدثین تاریخ نویسی قانوناً جرم تھی؟
۲۵۶-۲۳۷	جناب محمد یعقوب صاحب مدنی بی اے، لکھنؤ	اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل
۳۶۸-۳۵۷	جناب محمد عزیز حبیب ایم اے ایل ایل بی (ریگ) رفیق دارالمصنفین	انکو زینشن اور انکی آتش فشانیاں
۳۷۸-۳۶۹	مولوی سید ابوالقاسم صاحب سرور حیدر آباد کوٹ	مہربانے دانش
۳۸۲-۳۷۹	”ع ز“	اقتصادی تباہی اور لڑکی کی خانگی زندگی
۳۸۳-۳۸۲	”“	ذخائرک میں پہلوئی مخطوطات
۳۸۶-۳۸۳	”“	موت کی نسبت اہل جاپان کے عقائد
۳۹۰-۳۸۷	”“	اخبار علیہ
۳۹۲-۳۹۱	آزیزیل نواب سر محمد مزل اللہ خان بہادر بالٹا	نالہ شبانہ مزل
۳۹۲	سید اشعار فضل الحسن حسرت موہانی	نالہ حسرت
۳۹۴-۳۹۳	”س“	آرکٹ کا گوہر زبان
۴۰۰-۳۹۵	”ر“	مطبوعات جدیدہ

ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام کا تفسیری ترجمہ قرآن جسکو مومن نے اپنے مشہور فصیح و بلیغ و اثر آفرین طرز تحریر میں لکھا ہے، جلد اول

”نمبر“

قیمت چھ روپیے (سے)

مشکلات

کسی قوم کی بربادی کا اصلی وقت وہ ہوتا ہے جب خود اس کے یقینیات یعنی ایمانیات تو اس کے نزدیک مشکوک ہو جاتے ہیں، یا ملت جاتے ہیں اور انکی جگہ دوسری قوم کے یقینیات اس کے دل میں راہ پاتے اور پختگی اور استحکام حاصل کرتے جاتے ہیں، اسوقت وہ قوم تسخراً لیکر تباہ کی صورت میں ہوتی ہے، اوپر سے تو وہ وہی قوم معلوم ہوتی ہے، مگر اندر سے کچھ اور ہو جاتی ہے، بظاہر وہ اب بھی اپنے کو وہی کہنے اور کہلانے پر مصر ہوتی ہے، مگر اس کا باطنی ہیوئی کسی اور قوم میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے، گویا وہ اندر سے تو کوئی اور حیوانی صفت میں بدلی ہوتی ہے، مگر اوپر سے اس پر چہرہ انسان کا لگا ہوا ہوتا ہے، پھر یہ انسان نما حیوان تعجب کرتا ہے کہ ہم پر انسانی برکات کے اُس پہلے خزانہ کا منہ کیوں نہیں کھلتا؟ جب ہم صرف اوپر سے انسان نہیں، بلکہ اندر سے بھی انسان تھے،



ہم بظاہر مسلمان بنے ہیں، مگر اسلامی ایمان و یقین سے سرتاپا عاری اسلامی تعلیمات و ہدایات سے یکسر غافل اور اسلامی تمدن و معاشرت سے مٹا مٹا خالی ہیں، پھر اصرار ہے کہ ہم کو اسلام کا بیرو اور مسلمان کہا جائے، اور اسلام اور مسلمانوں کے جو لزوم و خصوصیات ہیں ان کا ہم کو اہل قرار دیا جائے، اور اگر وہ وعدے جو مسلمانوں سے کئے گئے تھے ہمارے ساتھ پورے نہ کئے جائیں تو ہم کو اپنی غلط غنائی پر جھوٹ کا گمان نہیں ہوتا، بلکہ اس وعدہ کرنے والے کے جھوٹے ہونے کا دفعہ و بائد خیال ہوتا ہے، کیا یہ علت معلول اور خاصیت ذمی خاصیت کے درمیان لازم کی کچھ منطقی شکل ہے؟



دنیا کی سطح پر جو قومیں بھی وجود پذیر ہوئی ہیں، انکی بناوٹ کا غیر عوامیت میں مختلف مسائلوں سے تیار ہوا ہے

یعنی کسی نسل کی محبت، یا کسی خاص ملک کی الفت اور یا چند خیالات سے مستحکم عقیدت، اسلامی قوم کی طبعی ساخت میں سب سالہ سے ہوئی ہے، اس لیے اسکی بنا کی سستی کو اگر دور کرنا ہے تو اسی خاص قسم کے مسائل کو جہاں جہاں سے وہ جھڑکیا ہو اور اس کو پختہ کیجئے، ورنہ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ اسکی کمزوری مست بنیادی کو پہلی یا دوسری قسم کے مسائل سے دور کریں تو آپ اسکو وہی چیز نہیں بلکہ دوسری یا تیسری چیز بنا رہے ہیں، اسکو ہندو بنا رہے ہیں یا انگریز مسلمان نہیں بنا رہے ہیں۔



حقوق عرب ملک میں اسلامی قومیت کی تعمیر ہو رہی تھی، اس کے داہنے اور بائیں دو اور قومیتیں موجود تھیں، ایک طرف ایرانی نسل کی قومیت اور دوسری طرف رومی شمشاہی وطنیت مگر عرب کی نئی قومیت کے خلاق نے نہ اودھ رکھا اور نہ اودھ کہ ان دونوں کی کمزوریاں آشکارا تھیں بلکہ وہ اپنے لیے ایک تیسری قومیت کا مسالہ تیار کر رہا تھا، اور بالآخر نئی قوم بنا کر کھڑی کر دی جس نے ان کے ان میں دونوں گذشتہ قومیتوں کو تہ و بالا کر کے ان کو اپنی قوم میں مدغم کر دینے پر مجبور کیا۔



مسلمان اگر آج مسلمان ہیں تو اس نکتہ پر غور کریں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نئی قومیت کی تعمیر کے وقت یہ کہا، کہ اے مسلمانو! تم ایرانیوں کی طرح نبیاؤ تو درس کا دیانی جیسا علم تمہارے سر دہ پر لہرانے لگے، یا اے مسلمانو! تم عربوں کی طرح نبیاؤ تو عالمگیر شمشاہی کے تحت پر تم کو بیٹھنا نصیب ہو، بلکہ جب کہ تو یہی کہ، یا ایہا الذین امنوا! امنوا! اے ایمان والو! ایمان دے! نبیاؤ! یعنی اے بے مثال قوم والو! اپنی مثال آپ بنجاؤ،



پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ آج مسلمانوں کے نزدیک ان کے مسلمان بننے کی صرف دو راہیں ہیں، کچھ کے نزدیک یہ کہ تمام مسلمان یکھٹ فرنگی بن جائیں، اور بعضوں کے نزدیک یہ کہ وہ ہندی بن جائیں، اور مسلمان بننا اب مسلمان بننے کیلئے ضروری نہیں رہا، تو خدا را بتاؤ کہ یہ پوری قوم کی قوم کو ایک دوسری قوم میں مدغم ہو جانے کی صریح دعوت ہے یا نہیں؟



آج یورپ کو اتحادِ عالم کے خواب کی تعبیر کے لیے اس کی ضرورت پیش آئی ہو کہ وہ ایک عالمگیر زبان پیدا کرے جس کا نام اسپرنتور رکھا گیا ہے، لیکن اسلام نے اپنے عالمگیر اتحاد کے لیے اس مسئلہ کو پہلے ہی سے حل کر دیا جو اس کے پیغمبر اور اس کی کتاب کی زبان آج چالیس کروڑ نفوس کے لیے اسلامی اسپرنتو ہے، جہاں مکین بھی کوئی مسلمان آبادی ہے، اس زبان کا کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے جہاں چند ہزار بھی اس زبان کے جاننے والے ہیں اس زبان میں ان کے اخبارات اور رسالے شائع ہو رہے ہیں، لیکن کتنے نفوس کی بات ہے کہ پورے ہندوستان میں جہاں آٹھ کروڑ اس زبان کے عاشق صادق، اور کم از کم چند لاکھ اس کے جاننے والے اور سمجھنے والے موجود ہیں، اور ایک لاکھ سے زیادہ اس کے طالب العلم ہیں، اور ہزاروں کی تعداد میں اس کی درس گاہیں ہیں اس زبان کا کوئی رسالہ موجود نہیں ہے،



اسی ضرورت کو محسوس کر کے ہمارے چند عزیزانِ ندوۃ العلماء نے یہ قصد کیا ہے کہ لکھنؤ سے انصیار نامی ایک ایوار رسالہ جاری کریں جس کے نگاران کارون میں ایک میرانام بھی ہے، پہلا رسالہ مرتب ہو چکا ہے محرم سال سے اس کا آغاز ہو گا قیمت ۱۰۰ رسالانہ ہو گی، پتہ یہ ہے، مولوی مسعود عالم صاحب ندوی، اڈیٹر انصیار، شبلی دارالاقامہ، بادشاہ باغ لکھنؤ،



ہم کو امید ہے کہ اس زبان کے قدردان اس کی قدر کریں گے، اور نہ صرف اس کو خرید کر، بلکہ زراعت سے بھی اس کی مدد کریں گے، اس وقت پچاس پچاس روپے کے چند دوستوں کے چند دن سے یہ کام شروع ہو رہا ہے، اگر باہر سے بھی کچھ لوگ اس کی ابتدائی مشکلات کے لیے پچاس پچاس روپے بکشت چند دن سے اس کی اعانت فرمائیں تو بڑا کام ہو، ایسے احباب اس رسالہ کے دائمی سرپرست اور ہمیشہ کے فریاد رہیں گے،



مقالہ

کیا مالگیر کے عہد میں تاریخ نویسی قانوناً مجرم تھی؟
الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر تاریخ کی غلط بیانی

از
سید ریاست عیسیٰ ندوی

مالگیر کی فرد قرار داد جرم میں ایک یہ جرم بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے مظالم کی پردہ پوشی کیلئے اپنے عہد میں تاریخ نویسی کو قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا چنانچہ دورِ حاضر کے ایک ہندو مورخ ڈاکٹر ایشوری پرنس صاحب ایم اے ڈی لسٹ پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی اپنی تاریخ ہندوستان میں جو اسکول کے اوپر کے درجوں کے لیے لکھی گئی ہے، مالگیر کے جرائم تعصب و تشدد میں ایک اس جرم کا بھی اضافہ کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں:-

”اورنگ زیب نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی اس کے زمانہ کے واقعات کا حال نہ لکھے۔“

مگر:-

”ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا، اس لیے وہ خانی خان کہلاتا ہے، اس کی کتاب منتخب اللباب سے اورنگ زیب کے زمانہ کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔“

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان غالباً اپنے پیشرو انگریز مورخین کی تقلید میں لکھا ہے، بہر حال اس عوی کے یہ تین ٹکڑے ہیں،

۱۔ عالمگیر نے اپنے عہد میں تاریخ نویسی کی مانعت کر دی،

۲۔ محمد ہاشم خفیہ طور پر اس کے عہد میں اپنی تاریخ لکھتا رہا،

۳۔ اسی خفیہ نویسی کی وجہ سے وہ "خانی خان" کہلایا،

واقعہ یہ ہے کہ جب محمد ہاشم کی منتخب اللباب شائع ہوئی، اور اس کے مطبوعہ نسخے کے سرورق پر مصنف کا لقب

"خانی خان" نظر آیا، تو اسی زمانہ سے بطور تخمینہ و قیاس یہ آواز پیدا ہو گئی تھی، کہ وہ اپنی خفیہ نگاری کے باعث اس لقب

سے ملقب ہوا ہوگا، اور یہ اس لیے کہ عالمگیر نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تاریخ نویسی کی مانعت کر دی

ہوگی، اور نیز منتخب اللباب کے دیباچہ کے بعض بیان سے اس قیاس آرائی کی مزید تائید ہوئی، جبکہ تذکرہ آئندہ آئے گا،

پہلے مبین محمد ہاشم کے لقب اور منتخب اللباب کے عہد تالیف پر نظر ڈالنی ہے،

یہ عجب اتفاق ہے کہ بطرح عالمگیر کے عہد میں عمال حکومت اور فوج سے کبھی جو غلطیاں سرزد ہوئیں وہ

براہ راست عالمگیر کے سرِ تخت پہ دی گئیں، اسی طرح آج چند صدیاں گزرنے کے بعد بھی جب عالمگیر کے عہد کے واقعات

کی تاریخ مطبع سے شائع ہوئی، اور اس سے ایک اتفاقی غلطی سرزد ہو گئی، تو اس کو بھی ایک مستقل الزام بنا کر عالمگیر کے سرِ تخت پہ

"خانی خان" کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ ایشیا تک سوسائٹی بنگال کے نسخہ کی ایک اتفاقی غلطی

ہے، کہ امین محمد ہاشم نظام الملکی کا لقب "خانی خان" کے بجائے خانی خان شائع ہوا، خواف نیشاپور (خراسان) کا ایک قصبہ

نام ہے، خوافی سے اُسی کی طرف نسبت کیجاتی ہے، بحکم البلدان میں ہے،

خَوَاف بقصبة کبیر کا من اعمال خَوَاف نیشاپور (خراسان) کا ایک بڑا قصبہ

نیشاپور بخراسان ینسب الیہا ہے اسکی طرف اہل علم و ادب کی ایک جماعت

جماعت من اهل العلم و الادب منہم ابوالمظفر احمد بن محمد بن ابوالمظفر محمد بن

مظفر خوافی ہیں مظفر خوافی

اسی طرح کتاب الانساب سمرانی میں ہے :-

خوافی هذه النسبة الى خوافي
خوافی یہ نسبت خواف کی طرف ہے جو نواحی نیشاپور
وہی ناحیہ من نواحی نیشابور
بن ہر یہاں سے علما و محدثین کی ایک جماعت
کان منها جماعة من العلماء و الثمین ...
پیدا ہوئی،

خواف کے اکثر اہل علم و فن سلاطین مغلیہ کے دامن سے وابستہ تھے اور خزر عہدوں پر فائز تھے منتخب اللباب

میں بھی ان کا جابجا تذکرہ ہے مثلاً عبدالحق خوافی (ج ۲ ص ۳۷۲) شیخ میر خوافی (ج ۲ ص ۱۲-۱۳-۱۴-۲۳-۲۵-۲۷-۲۸

۳۸ وغیرہ) اور خواجہ کلان خوافی کفایت خان وغیرہ (ج ۲ ص ۲۰۱، ۱۹ وغیرہ)

اور محمد ہاشم نے کہیں کہیں ان لوگوں سے اپنی رشتہ داری اور نسبت بھی بیان کی ہے جو کتب کلان خوافی کے ذیل میں
”خواجہ کلان خوافی کہ خالوی محراب و راقی می شد اسماء در یوانی بہین کہ ...“

اور اسی طرح اپنے وطن خواف اور انبا سے وطن کے متعلق عالمگیر اور شیخ میر خوافی کے تذکرہ کے ایک سلسلہ میں لکھتا ہے

”گویند سبب چنان جانفشانی کہ بدان ارادت و عقیدت از شیخ میر ظہور آید پادشاہ قدردان
خان زاد پرورد نسبت بہم مردم خواف توجہ تمام بہم رسید و ان قدر کہ در ہمد خلد مکان عالمگیر پادشاہ
مردم خواف کہ محقر ترین اکلمای خراسان است پیش آمدند و ترقی نمودند در بیچ ہمدی از پادشاہان سلف
در تواریخ بنظر نیامدہ و فی الحقیقت اگرچہ مردم خواف نسبت بہم مردم خراسان در ظاہر درشت و دیو
واقع شدہ اند اما اکثر در کار بار راست و درست اند و در طریقہ پاس حق ملک آقا از جملہ ثابت قدمان
می توان محسوب نمود“

چنانچہ منتخب اللباب کے بعد کی تاریخوں میں جن کا وہ ماخذ ہے کتاب کے مولف کا نام ہر جگہ خوافی خان ملتا ہے

مثلاً نثار الامراء، نواب مصحاح الدولہ شاہ، نواز خان میں چند جگہ اس کا نام آیا ہے، اور ہر جگہ ہی نام مذکور ہے،

لے کتاب الانساب (رگب) ورق ۲۱۰ لے منتخب اللباب ج ۲ ص ۱۹، ۳۷۲ لے ایضاً ج ۲ ص ۷۷۲

دیباچہ میں ماخذوں کی فہرست میں ہے،

”لب لباب تالیف خوانی خان“

بح اصر ۲۶۴ میں ہے:-

”خوانی خان صاحب تاریخ لب لباب..... آوردہ“

اور اسی طرح ج اصر ۱۵۴ میں ہے،

”آخوانی خان در تاریخ خود زبانی خواجہ مکرم جان نثار خان..... آوردہ“

اور پھر ج ۳ ص ۶۸۰ میں ہے،

”خوانی خان صاحب تاریخ منتخب اللباب..... نقل می کرد“

باقی رہا منتخب اللباب کو عہد عالمگیری کی تالیف بتانا ایک ایسی سخت حیرت انگیز غلطی ہے جس کا ارتکاب ہندوستان کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی کے پروفیسر تاریخ سے حد درجہ تعجب انگیز ہے ”اگر تاریخ ہندوستان کی تالیف کے وقت منتخب اللباب سامنے موجود نہ تھی، تو اس کتاب کا حوالہ دیتے وقت کم از کم کسی فہرستِ مخطوطات ہی میں لکھ دیکھ لیا جاتا تو یہ التباس دور ہو جاتا، مثلاً فہرستِ مخطوطاتِ فارسی انڈیا آفس میں ہے:-

”یہ ۱۱۳۳ھ سے پہلے مکمل نہیں ہوئی اور مؤلف نے ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی“

ورنہ منتخب اللباب میں سنہ تالیف وغیرہ کے علاوہ کہ جس سے عہد عالمگیری کی وفات کے دل پر بعد کی یہ تالیف ثابت ہوتی ہے، جا بجا ایسے واضح قرائن موجود ہیں کہ اس کو عہد عالمگیری کی تالیف غلطی سے بھی نہیں کہا جاسکتا، مثلاً عالمگیری کے حالات میں اکثر مواقع پر اس کو ”خلد مکانی“ سے موصوف کیا گیا، اور اسکے برخلاف دیباچہ کے شروع ہی میں جہان محمد شاہ کا تذکرہ آیا ہے اس کا نام فرما کر اس وقت کی حیثیت سے لکھا گیا ہے، دیباچہ میں ہے:-

”فہرستِ مخطوطاتِ انڈیا آفس نمبر کتاب ۳۹۶ ص ۱۴۹“

درحقیقت اس بیان کو بھی اس الزام سے دور کا بھی سر کا نہیں ہے، اس میں ایک بالکل جداگانہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ سلاطین مغلیہ کے دربار میں تاریخ نویسی ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا، دربار کے چند اہل قلم تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور رہتے، وہ روزانہ بادشاہ اور دربار کے چھوٹے بڑے واقعات اور سلطنت کے حوادث و وقائع کو ترتیب دیکر کتاب کی شکل میں مرتب کرتے، اور پھر یہ کتاب فرمانروا سے وقت کے سامنے پیش کی جاتی، وہ جتنا چاہتا اس میں رد و بدل کر دیتا، چنانچہ توڑک باہری، اکبر نامہ، جہانگیر نامہ اور شاہجہان نامہ وغیرہ اسی قسم کی تاریخات ہیں، جو سلاطین مغلیہ کی گزری مین ترتیب پائی ہیں، اور خود عالمگیر کے ابتدائی عہد حکومت کے دس سالوں تک یہ طریقہ رائج رہا، چنانچہ اس کے ابتدائی وہ سالہ عہد حکومت کی تاریخ عالمگیر نامہ ہے، جس کو منشی محمد کاظم بن محمد امین نے ترتیب کیا ہے، اور وہ ایشیا نیک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، محمد کاظم اس کا مسودہ مرتب کرتا، اور اس کو عالمگیر خود خط کرتا، اور پھر سال بسال کتاب ترتیب پاتی جاتی،

لیکن اگر مورخانہ دباندری سے دیکھا جائے، تو ان کتابوں کی حیثیت کسی آزادانہ تاریخی تصنیف کی نہیں قرار پا سکتی، بلکہ اسکی ایک حد تک وہی حیثیت ہو سکتی ہے، جو اچھل حکومتوں کی سالانہ رودادوں کی ہوتی ہے، لیکن پھر ان رودادوں اور ان تصنیفوں میں بھی ایک اصولی فرق ہوگا، کہ ان رودادوں کی مشاعت و ترتیب کی ذمہ دار خود حکومت ہوتی ہے، اور اس لیے سیاسی و دیگر معاملات حکومت میں، حکومت اپنے طریقہ کار کی حمایت کرتی ہے، لیکن شاہان مغلیہ کے عہد کی وہ کتابیں اگرچہ حکومت کی جانب سے ترتیب پاتی تھیں، اور ان میں اسی کے نقطہ نظر کو واضح کیا جاتا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت اور ان ردایوں کی صحت کی تائید ذمہ داری انہی مصنفین کے سر ہوئی تھی، اور ایک آزاد مورخ کے نام سے حکومت کی جاوید حمایت کرائی جاتی تھی، اس لیے یہ فیصلہ بآسانی ہو سکتا ہے کہ حکومت کے مخالف پہلوؤں کے موقوفوں پر ان کتابوں کا تاریخی پایہ بلند کیا ہو سکتا ہے،

عالمگیر کا اگر کوئی جرم ہے تو یہی کہ اس نے اس مذموم تاریخ نویسی کے سلسلہ کو مکمل منعوق قرار دیدیا کرنا ہے۔ وہ ہوئی جو دوسرے آزاد اہل قلم کھین نہ کہ وہ ہوئی جو حکومت کے زیر سایہ ترتیب پائین چنانچہ اسی حکم کے مطابق منشی محمد کاظم کی تالیف عالمگیر نامہ کی ترتیب کا سلسلہ صرف دہ برس کے حالات تک پہنچ کر منقطع ہو گیا، عالمگیر نامہ ایشیا تک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، اُسے دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی آزاد نگار مروج کا تاریخی شاہکار یا سرکاری دفتری سرکاری کھیتیونی، کہ جس میں مخالفت حکومت اشخاص کے نام تک تحقیر و تندی سے لکھے گئے ہیں اور خصوصاً "دارالشکوہ" ہر گز "دار کبے شکوہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے،

عالمگیر نے اسی غیر مناسب سلسلہ تاریخ نویسی کو مسدود کر دیا چنانچہ جب عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد اسی طرح اس کے بقیہ سال حکومت کی تاریخ، "ماثر عالمگیری" مستعد خان کے قلم سے ترتیب پائی، تو اس نے اپنے دیباچہ میں اس حقیقت کو واضح کیا، وہ لکھتا ہے:-

"واضح باد کتاب بلاغت نصاب والاخطاب عالمگیر نامہ متضمن وقایع دہ سالہ دولت ابد طراز..."

..... ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی نگاشتہ خامہ بدایع نثار

مرزا محمد کاظم رائے بخش بھان ناوہہ کاراست و چون ندیو عالم صورت و معنی واقف اسرار بلند ہی و

ہستی راتائیس بنا سے باطن مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود اقام از تسوید ممنوع شدہ....."

اسی بنا پر عالمگیر نامہ کے مقدمہ میں محکم کتاب کا بیان حسب ذیل ہے:-

"و چون بندگان حضرت اعلیٰ خاقانی بمقتضای دانش خدا داد و فطرت بلند و علو بہت و وسعت

حوصلہ بقادر آثار ظاہر را در جنب محو ان وقتے نہ ہادہ بتائیس مآثر باطن بیشتر تو جہ داشتند بلند

تدوین واقعات دہ سالہ حکم حقیقت شہیم صادر شد کہ گذارندہ داستان مغاخر و مکارم محمد کاظم

مصنف کتاب مستطاب عالمگیر نامہ من بعد و قائل را بقید کتاب دریاورد و لہذا او ہم بدان قدر

لے دیباچہ مآثر عالمگیری قلمی کتب خانہ خدابخش خان نمبر کتاب ۱۳۰ ورق ۲ و ۳، مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر نہیں ہے،

اکٹانورڈ ۹

یہ ہے اس الزام کی اصل حقیقت، غریب عالمگیر اپنی خاکساری و فروتنی سے اپنے مغاور و مکارم کی بزمِ داستان گوئی کو منتشر کرتا ہے، لیکن اس پر الزام یہ انا ہے کہ اس نے اپنے عہد کے مطالعہ کی پردہ پوشی کے لیے تدوینِ تاریخ پر عام حکم امتناع جاری کر دیا، اگر یہ واقعہ ہوتا تو عالمِ عالمگیر کو اپنے پہلے وہ سالہ جرائم کے اخف کے لیے جو تباہ اور بھائیوں کیساتھ اس نے کئے، اپنے ابتدائی وہ سالہ تاریخ کو خاکستر کرنا چاہئے تھا، نہ کہ آئندہ کے واقعات کو حصین مرہٹوں کی جنگ سے لگوئی اور اہم باب نہیں،

مہر حال اگر حقیقت عالمگیر کے عہد میں تدوینِ تاریخ کا سلسلہ واقعی روک دیا گیا ہوتا، تو آج بہت سی کتابیں جو عہدِ عالمگیر میں ترتیب پائی ہیں، عالم و جوہر میں نہ آئی ہوتیں، ورنہ عالمگیر کے عہد میں پرچہ نویسی و توثیقِ تاریخی کا جو نظام قائم تھا، اس سے ممکن نہ تھا کہ مورخین اپنی کتابیں لکھتے اور پرچہ نویس ان سے بے خبر ہوتے، چنانچہ اس وقت یورپ اور ہندوستان وغیرہ کے مختلف کتب خانوں میں عہدِ عالمگیر کی بہ کثرت کتابیں موجود ہیں اور سب پر لطف یہ ہے کہ ان تالیفات میں نہ صرف مسلمان مورخین کی کتابیں ہیں، بلکہ اس عہد کے ممتاز ہندو اہلِ قلم کی تصنیفات بھی ہیں، اور ہمارے دورِ حاضر کے ہندو مورخین کے لیے یہ واقعہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہو گا کہ عہدِ عالمگیر کے ہندو مورخین نے عہدِ عالمگیر کی تاریخ، عہدِ عالمگیر میں مرتب کر کے خود عالمگیر کے نام منسوب کی، اور اپنی اپنی تالیفات ہاتھ میں میکرو عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے۔

ذیل میں عہدِ عالمگیر کی تاریخی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے، امید ہے کہ یہ فہرست ہمارا قیاسی طور پر تمام مشکوک شبہات کو دور کر دے گی، اس سلسلہ میں پہلے مسلمان مورخین کی کتابیں درج کی جاتی ہیں، اور پھر ہندو مورخین کی کتابیں درج کی جائیں گی، مسلمان مورخین کی کتابیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ واقعاتِ عالمگیری، مصنفہ امیر خان، امین عالمگیر کی ولادت، شاہزادگی اور پھر تخت نشینی سے شاہجہان کی وفات تک کے حالات ہیں، اسکا ایک نسخہ کتب خانہ دارالمصنفین میں ہے،

۲۔ عیدِ غیرِ سید، جو فتحِ غیرتِ باجریہ بھی کہلاتی ہے، مولفہ شہاب الدین طاش بن محمد ولی احمدیہ کو بچہ ہمارا اور اسام کے فتح مالگیری کی تاریخ ہے، جو عہدِ مالگیری کے ابتدائی سالوں میں پیش آئی، زمانہ تالیف سترہ سہ ہے،

۳۔ واقعاتِ مالگیری، مولفہ عاتق خان رازی، مالگیری کے ابتدائی پانچ سالوں از سترہ تا سترہ ایک کی تاریخ ہے،

۴۔ تالیخِ شاہ شجاعی، مولفہ محمد مصوم بن حسن صلح، شاہ شجاع کی جنگوں کے حال میں ہے، زمانہ تالیف سترہ

ہے، (بانکی پور ج ۷ ص ۸۱)

۵۔ آئینہِ بخت، مولفہ بختاور خان، کتاب کا آغاز تصنیف سترہ میں ہوا، امین باہر سے شاہجان تک کے مختصر حالات

اور عہدِ مالگیری کے ابتدائی دہ سالہ حکومت کے مفصل واقعات ہیں، اور مصنف کے بیان کے مطابق "ملت غائی اس لین کی مالگیری کے حالات ہیں" یہ نسخہ راجپور کے کتب خانہ میں موجود ہے، اور اسکا مفصل تذکرہ انہی اوراق کے گذشتہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے، بختاور خان نے سترہ امین وفات پائی، اور مالگیری نے خود نماز جازہ پڑھائی، (معارف ج ۲۹ نمبر ۴)

۶۔ مرآۃ العالم، بختاور خان کی ایک دوسری تالیف مرآۃ العالم کے نام سے برٹش میوزیم میں موجود ہے، اس تصنیف

کی تاریخ بھی "آئینہ بخت" ہے، منشی احمد علیخان صاحب مہتمم کتب خانہ راجپور کا خیال ہے کہ غالباً بختاور خان نے ابتداً صرف باہر سے مالگیری تک کے حالات لکھے، اور اس کا نام "آئینہ بخت" لکھا، پھر اسی کو وسعت دیا، اور اس کو "مرآۃ العالم سے موسوم کیا، اور اس کا تاجی نام "آئینہ بخت" باقی رکھا، لیکن انڈیا آفس کی فہرستِ مخطوطات کے مرتب نے اس تالیف مرآۃ العالم کو شیخ

محمد بقا (سترہ سترہ) کی تالیف قرار دیا ہے، (برٹش میوزیم ج ۱ ص ۱۲۵، انڈیا آفس نمبر کتب ۱۲۶ تا ۱۲۷)

۷۔ مرآۃ جہانِ نما، یہ اسی شیخ محمد بقا (مولود سترہ - متوفی سترہ) کی تالیف ہے، جس میں مالگیری کے دہ سالہ حکومت

تک کی تاریخ ہے، اور سترہ میں مصنف کی وفات کے بعد اس کے جیسے محمد شفیع (سترہ) نے اس کو عہدِ مالگیری ہی میں لکھا

کیا، انڈیا آفس میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے (نمبر کتاب ۱۲۶)

۸۔ زینۃ التواریخ، مولفہ عزیزاں دہ تاریخ عام ہے، زمانہ تالیف سترہ تا سترہ ہے، برٹش میوزیم میں موجود ہے،

۹۔ تنقیح الاخبار، مولفہ ملا محمد، یہ بھی عہدِ مالگیری کی تالیف ہے، یہ فرخ سیر کے عہد سترہ تک کی تاریخ ہے

عبدالملک بن تاریخ سے اس کی تالیف شروع ہوئی،

۱۰۔ آداب عالمگیری، مؤلفہ منشی الماکشیخ ابو الفتح قابل خان، یہ کتاب عبدالملک بن تاریخ کی سرکاری دستاویز اور خطوط وغیرہ پر مشتمل ہے ۱۵۱۱ء میں یہ مجموعہ کتاب کی شکل میں مرتب ہوا، اور اس کی تاریخ نگار زبانِ جان سے متعین لکھی ہوئی، اس کا ایک نقلی نسخہ ہمارے کتب خانہ دارالاسلام میں بھی موجود ہے،

۱۱۔ خلاصہ عالمگیر نامہ، مؤلفہ قاتم خان، یہ اگرچہ عالمگیر کے ابتدائی وہ سالہ عدد کی تاریخ ہے، لیکن اس سن ستون سال کے بعد ترتیب پائی ہے، جب عالمگیر نے محمد کاظم کے عالمگیر نامہ کی ترتیب روک لی تھی، یہ نامہ سرکاری خلاصہ ہے، اور برٹش میوزیم کانسرو عالمگیر کے ۴۴ ویں سال حکومت ۱۱۱۱ء کا مکتوب ہے،

۱۲۔ وقائع نعمت خان عالی، اس میں عالمگیر کے حملہ حیدرآباد ۱۱۰۹ء کے چند دنوں کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، جو اسی زمانہ میں لکھے گئے تھے،

۱۳۔ جواہر التواریخ، مؤلفہ سلطان فروغی یاز ابتدائے آفرینش تا عہد عالمگیر کے حالات پر مشتمل ہے، لیکن جو تین لاکھ سترہ سو تین سو نو نسخہ ہے، وہ جاگیر کے عہد تک کے حالات ہیں، مگر مصنف نے دیباچہ میں عہد عالمگیر تک کی تاریخ کی ترتیب بتائی ہے، اور مرتبہ فرست نے اسکو عہد عالمگیر کی تصنیف قرار دیا ہے کہ عالمگیر کے نام کیساتھ "خلعہ شد ملکہ کے لفظ میں (بوڈلین نمبر ۱۲۸) ۱۴۔ مجموعہ اقتباسات تواریخ مختلفہ، یہ بوڈلین لائبریری کا ایک نسخہ ہے، مصنف کا نام درج نہیں، لیکن یہ نامہ ۱۱۱۱ء

ہے، اس میں حسب ذیل تاریخوں کے خلاصے ہیں، تاریخ سلاطین خلافت ترمین سلسلہ علیہ صفویہ، مشتمل حالات از سنہ ۱۱۱۱ء تا سنہ ۱۱۱۱ء بعضی از فتوحات، تسخیر قلاع و ولادت و سوخت و واقعات، و بناے مساجد و دروشتا، ابنیہ و عمارات عجیب و بانا و دولہ و عاوی شاہزادہ عالی کا مشتمل تاریخ سلطنت بادشاہ ظہیر، تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ مہاجران امیر تیمور گورکانی، فتح نامہ کہ مولانا علی کل از برہے حسین نظام شاہ نوشت و تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ قطب شاہیہ اعمالات ۱۱۱۱ء (بوڈلین نمبر ۱۲۸) اب ذیل میں عبدالملک کے چند ہندو مورخین کی کتابیں پیش ہیں،

۱۵۔ فتوحات عالمگیری، مصنفہ امیر داس قوم ناگرتوں بلدہ پن، اس میں عالمگیر کی تخت نشینی ۱۱۱۱ء میں

سال حکومت ۱۲۸۵ء تک کے حالات ہیں، یہ عہد عالمگیری کی تالیف جو تفصیل کیلئے دیکھو فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ۲۶۹
۱۴۔ نسخہ ولکشا، مؤلف بھیم سین ولد گھونڈن داس، یہ عالمگیری دکنی معرکہ آرائیوں کی رزمیہ تاریخ ہے جس میں عالمگیری
دکنی فوج کشی سے شاہ عالم کی تخت نشینی تک کے حالات ہیں، بھیم سین ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوا، اور عالمگیری دکنی فوج سے وابستہ تھا
تاریخ کی ترتیب اگرچہ عالمگیری کی وفات کے دو سال بعد ۱۲۸۵ء میں اتمام کو پہنچی، لیکن اسکا بیشتر حصہ وہ عالمگیری کے عہد حکومت
میں جب وہ مختلف مقامات پر جاتا رہا، ترتیب دیتا رہا، (برٹش میوزیم)

۱۵۔ منتخب التواریخ، مؤلف مجید داس ولد منوہر داس، اسکا مصنف عالمگیری کے عہد حکومت میں ۱۷۵۹ء سے
اس کا مواد فراہم کرتا رہا، لیکن ترتیب کا موقع نہیں ملا، یہاں تک کہ ۱۲۸۵ء میں اس کو مرتب کیا، (برٹش میوزیم)

۱۸۔ لب التواریخ ہند، مؤلف رائے بندر بن پیر رائے بہرل، اس میں ہندوستان کے مسلمان فرماؤ اور اہل
غوری ۱۷۵۹ء کے عہد سے عالمگیری کے ۳۳ دین سال حکومت ۱۲۸۵ء تک کے حالات ہیں، عالمگیری کے عہد میں تالیف ہوئی اور
اور اس کا ایک نسخہ اسی عہد یعنی عالمگیری کے ۴۲ دین سال حکومت ۱۲۹۹ء کا لکھا ہوا، انڈیا آفس میں موجود ہے،
اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس ہندو مصنف نے اپنی یہ تالیف خود عالمگیری کے نام منسوب کی ہے،

۱۹۔ خلاصۃ التواریخ، مؤلف سبھان رائے، بعض نسخوں میں سبھان رائے یا بعض میں سوجن رائے بھی ہندوستان کی
عام تاریخ جو عالمگیری کے عہد کے چالیس سال یعنی ۱۷۹۵ء تک کے حالات پر ختم ہوئی ہے اور اسی یعنی ۱۷۹۵ء میں اتمام کو پہنچی اور عالمگیری
کی خوش قسمتی سے اس ہندو مصنف نے بھی اپنی یہ تاریخی تالیف عالمگیری کے نام منسوب کی ہے، اسکا ایک نسخہ کتب خانہ دارالمنین میں بھی
موجود ہے، اور اس میں مصنف کا نام سبھان رائے متوطن بنالہ (پاٹنالا) ہے،

لیکن تاریخی حیثیت سے عہد عالمگیری کی ان تصنیفات سے زیادہ اس عہد کے مجموعہ مکاتیب فرامین و احکام کو بہت حاصل
ہے، یہ خطوط و احکام حسب ضرورت صادر ہوئے اور دروازہ جو حادثات پیش آئے اور حوادث کے مختلف پہلوؤں میں جو حکمت عملی اختیار کی
اور جو سیاست برتی گئی یہ خطوط و فرامین انکاسمچ ترین مرقع ہیں، یہ اس عہد کے پوشیدہ رسل و رسائل کی وہ کریان ہیں
جنہیں دور حاضر کی حکومتیں بھی اتنا درخشاں رکھتی ہیں اس لیے عالمگیری عہد کی تاریخ کا حقیقی ازمینہ ہی بن سکتی ہیں، کیونکہ یہ خط

فرامین جب صادر ہوئے تھے اسوقت نہ ان کی اشاعت کا خیال تھا، اور نہ انہیں حوادثِ مالگیری کے حق و باطل میں تفصیل کا قرار دینے کا تخیل تھا،

لیکن عہدِ مالگیری کے چند سال گزرنے کے بعد جب لوگوں کو ان مکاتیبِ فرامین کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا تو مالگیر نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی، اور اسی عہد میں اس قسم کے مختلف مجموعے تیار ہو گئے، اور ان خطوط میں صرف مالگیر کے مکاتیب نہیں بلکہ اس عہد کی تاریخ کی اہم شخصیتوں شاہجہان، برادران، مالگیر، شاہزادگان، مالگیر سولہوی، بے سنگھ، اور مختلف سربراہانِ درہ اور محال حکومت کے خطوط جمع کئے گئے،

اور اسی طرح لوگوں نے مالگیر کے سرکاری کاغذات کو استعمال کیا، اور ان سے فرامین و احکام کے مختلف مجموعے تیار کیے لیکن مالگیر نے ان سرکاری کاغذات سے جمع و ترتیب کرنے میں منع نہیں کیا،

اور خود مالگیر نے بھی اپنے سرکاری کاغذات کا مکمل و منظم دفتر قائم رکھا جو اس عہد کی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتے تھے چنانچہ اسوقت بھی اندیا آفس میں مالگیری عہد کے سرکاری کاغذات کا ریکارڈ موسومہ اخبارات دربارِ معلیٰ موجود ہے جس میں مالگیر ۲۲ دین سال حکومت تک کے جتنے جہتہ کاغذات ہیں لیکن ۲۳ دین سال حکومت سے عہدِ خزانہ کی مکمل کڑیاں موجود ہیں، اور اسی طرح عہدِ مالگیری کے مکاتیبِ فرامین کے بکثرت مجموعے مختلف مقامات پر آج بھی پائے جاتے ہیں، حوالے سے بعد و نا تھہ سرکار اور ہمارے دوست سید نجیب الرحمن صاحب ندوی ایم اے نے اپنی اپنی تالیفات میں مفصل درج کئے ہیں، ان مجموعوں کو نہ صرف مسلمان اہل قلم نے جمع کیا ہے، بلکہ ان میں ہندو مرتبین بھی شامل ہیں، اس لیے مالگیر پر یہ الزام لگانا کہ اس نے تاریخ نویسی کو قانوناً جرم قرار دے دیا تھا، مالگیر پر ظلم ہونے کے بجائے خود اپنی تاریخ دانی پر کس قدر صریح ظلم ہے،

مضامین مالگیر

شہنشاہِ اورنگ زیب مالگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، مورخانہ تحقیق و تنقید کا ہندوستان میں

”نبوغ“

پہلا نمونہ، قیمت باختلاف کاغذ و طبع ع و غیر

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از

جناب محمد یعقوب صاحب بی۔ اے، لکھنؤ،

۳۔ ہندوستان

ہندوستان میں مطبع فرگیوں کی بنگال میں حکومت مستحکم ہونے کے بعد جاری ہوا، لیکن اس پر بھی ہندو کے زمانہ میں صرف ۹ اینگلو انڈین اور ۲۵ ہندوستانی اخبار نکلتے تھے، موجودہ حالت میں ہندوستان میں اخباری دنیا کے لحاظ سے بہت ترقی ہوئی، اس کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ (۲۰۰۰) سے زیادہ اخبار اور (۲۵۰) سے زیادہ میگزین نکلتے ہیں جنہیں مسلمانوں کی حالت دوسرے درجہ کی ہے، اور کل تعداد (۲۲۵) سے کچھ زیادہ ہے، جیسا کہ ذیل کا نقشہ بتا رہا ہے،

ہندوستان کے اسلامی اخبار و رسائل

۱۔ مدراس حیدر آباد

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام شاعت
۱	آزاد ہند	اردو	ٹریلیکین
۲	دارالاسلام	عربی	مدراس
۳	گنناسیربان	عربی	وجاپورم
۴	حکیم اور وطن	انگریزی	مدراس

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵	جیتھایتھ	ملاٹیم	کالی کٹ
۶	اسلام دو تان	ملاٹیم	کیام کلم
۷	کرلیا چند رکا	انگریزی اور ملاٹیم	نراونکور
۸	ملا بار اسلام	انگریزی اور ملاٹیم	ریاست کوچین
۹	نخبر دکن	اردو	مداس
۱۰	منیر الاسلام	ملاٹیم	کیام کلم
۱۱	مسلم اخبار	ملاٹیم	نراونکور
۱۲	مسلم سہکاری	ملاٹیم	کالی کٹ
۱۳	نیلگری ٹائمز	انگریزی	آٹوکنڈو
۱۴	قاسم الاخبار	اردو و تامل اور انگریزی	مداس
۱۵	قومی رپورٹ	اردو	مداس
۱۶	رہبر دکن	"	حیدرآباد
۱۷	رسالہ المعالج	"	افضل گنج
۱۸	رسالہ اتالیق	"	حیدرآباد
۱۹	رسالہ محبوب النظیر	"	حیدرآباد
۲۰	رسالہ نو نھال	"	"
۲۱	رسالہ واعظ	"	"
۲۲	رسالہ النساء	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۳	صحیفہ	اردو	حیدر آباد
۲۴	سیف الاسلام	تامل	مدرا س
۲۵	شمس الاسلام	ملاٹیم	کارنجا بلی
۲۶	رسالہ اردو	اردو	اورنگ آباد (دکن)
۲۔ مبسبی			
۱	آفتاب الاسلام	گجراتی	راجلوٹ پارا
۲	اخبار	گجراتی	مبسبی
۳	اخبار الاسلام	"	"
۴	العزیز	"	جودیا
۵	الحقیقت	"	رکانا
۶	الحق	انگریزی اور سندھی	سکر
۷	الاسلام اور مومن مترا	گجراتی	مبسبی
۸	الاکمال	گجراتی	مبسبی
۹	الاشیفا (؟)	انگریزی اور سندھی	لاڑکانہ
۱۰	الوحید	انگریزی اور سندھی	کراچی
۱۱	یگ مومن	گجراتی اور اردو	امرہلی
۱۲	بھائی نیوز	انگریزی اور فارسی	کراچی
۱۳	بہار مجلس	گجراتی	مبسبی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۴	فیض عام	گجراتی	احمد آباد
۱۵	گلزار سخن	اردو	پونا صدر
۱۶	انصاف	گجراتی	ممبئی
۱۷	عرفان	اردو	"
۱۸	اشاعت الاسلام	گجراتی	"
۱۹	اسماعیلی	انگریزی اور گجراتی	"
۲۰	کاٹھیاوار	گجراتی	اپلیٹا
۲۱	خلافت	گجراتی	ممبئی
۲۲	خلافت بلٹین	انگریزی	"
۲۳	منہار	گجراتی	"
۲۴	مبین مترا	"	"
۲۵	مبین سماچار	"	کراچی
۲۶	مرچنٹ اڈورٹائزر	"	ممبئی
۲۷	محب	"	ممبئی
۲۸	مسلم ہرلڈ	اردو	ممبئی
۲۹	پوینٹل بومیسو	انگریزی اور گجراتی	احمد آباد
۳۰	راہ نجات	گجراتی	بھاوانگر
۳۱	روزنامہ خلافت	اردو	ممبئی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۲	ست پنت پرکاش	گجراتی	احمد آباد
۳۳	سندھ میسنڈار	انگریزی و سندھی	سکر
۳۴	سلمان الاخبار	اردو	بہی
۳۵	تامل	سندھی	حیدر آباد
۳۶	توحید	سندھی اور عربی	کراچی
۳۷	وفادار	انگریزی و گجراتی و اردو	نواساری (برٹن)

۳۔ ممالک متحدہ

۱	آگرہ اخبار	اردو	آگرہ
۲	البشیر	"	امادہ
۳	البرید	"	کانپور
۴	علی گڑھ گزٹ	"	علی گڑھ
۵	الامداد	"	منظف نگر
۶	انجیل	"	بجنور
۷	الہ آباد ایڈورٹائزر	انگریزی	الہ آباد
۸	استار	انگریزی	"
۹	الناظر	اردو	لکھنؤ
۱۰	دبدبہ سکندری	"	ریاست رام پور
۱۱	دربار	"	آگرہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۲	دلچسپ اخبار	اردو	فتح پور
۱۳	حق	"	لکھنؤ
۱۴	حقیقت	"	"
۱۵	ہمد	"	"
۱۶	استقلال	"	کان پور
۱۷	انصاف	"	"
۱۸	سچ	"	لکھنؤ
۱۹	ہمت	"	"
۲۰	انڈین ورلڈ	انگریزی	کان پور
۲۱	انقلاب	اردو	لکھنؤ
۲۲	اندام	"	مراد آباد
۲۳	اتحاد	"	امروہہ
۲۴	جادو	"	جون پور
۲۵	منصور	"	بجنور
۲۶	مشاہیر	"	پٹانوں
۲۷	مشرق	"	گورکھ پور
۲۸	مکہ مدینہ	"	مراد آباد
۲۹	مدینہ	"	بجنور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۰	ملت	اردو	میرٹھ (دہلی؟)
۳۱	معارف	اردو	اعظم گڑھ
۳۲	منبر عالم	"	مراد آباد
۳۳	نیر اعظم	"	"
۳۴	نجات	"	بجنور
۳۵	نقیب	"	بدایون
۳۶	نوید	"	بلند شہر
۳۷	نظام عالم	"	کان پور
۳۸	اودھ پتی	"	لکھنؤ
۳۹	پیغام	"	فیض آباد
۴۰	پردہ نشین	"	آگرہ
۴۱	رہنما	"	مراد آباد
۴۲	ریل کھنڈ گزٹ	"	بریلی
۴۳	روزانہ اخبار	"	"
۴۴	سیارہ	"	لکھنؤ
۴۵	شیعہ کالج نیوز	"	"
۴۶	مسٹر روزگار	"	آگرہ
۴۷	تبلیغ	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۸	ظریف	اردو	سہارنپور
۴۹	ذوالقرنین	اردو	بدایون
۵۰	بصر	"	لکھنؤ
۵۱	نگار	"	"
۵۲	النجسم	"	"
۵۳	صحفہ وارث	"	دیوہ (بارہ بنگی)
۴۔ صوبہ متوسط اور برار			
۱	ادیب	اردو	ناگپور
۲	البرہان	اردو	برہان پور
۳	گلزارِ حکیمی	گجراتی	خاٹا گاؤن
۴	سیمسی ساہا	اردو اور گجراتی	نرسنگ پور
۵	تاج	اردو	جبل پور
۵۔ بہار اور اڑیسہ			
۱	اصلاح	اردو	رگھناتھ پور
۲	المبشر	اردو	پٹنہ
۳	اتحاد	"	"
۴	بہارستان	"	"
۵	ندیم	"	گیا

نمبر شمار	اجازت کا نام	زبان	مقام اشاعت
۶	اجامہ	اردو	مونگیر
۷	اقدام	"	پٹنہ
۶۔ بنگال			
۱	السلام	اردو	کلکتہ
۲	اہل حدیث	بنگالی	"
۳	البلاغ	اردو	"
۴	پیغام	"	"
۵	اجامہ	عربی	"
۶	ہند	اردو	"
۷	الکمال	اردو	"
۸	الرفیق	اردو	"
۹	بہادر	بنگالی	"
۱۰	بن گیا مسلم سہیتہ پتریکلے	"	"
۱۱	بنگال پریسیڈنسی گزٹ	انگریزی اور بنگالی	ناٹور
۱۲	دھمکیٹو	بنگالی	کلکتہ
۱۳	ہنٹر بھنگار	اردو	"
۱۴	انقلاب زمانہ	اردو	"
۱۵	اسلام درشن	بنگالی	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۶	جادو	اردو	ڈھاکہ
۱۷	حور	"	کلکتہ
۱۸	محمدی	بنگالی	"
۱۹	مسلمان	انگریزی	"
۲۰	نوغالی تناشی	بنگالی	قصبہ نوغالی
۲۱	نوغالی سیستانی	بنگالی	قصبہ نوغالی
۲۲	پیس	انگریزی	ڈھاکہ
۲۳	رتنا کر	بنگالی	قصبہ آسنسول
۲۴	رعیت بندھو	بنگالی	کلکتہ
۲۵	سنار بھارت	بنگالی اور انگریزی	"
۲۶	سلطان	بنگالی	"
۲۷	جو پنج	اردو	"
۲۸	آفتاب	اردو	"
۲۹	ہند جدید	کلکتہ	"

۷۔ پنجاب

۱	روزنامہ زمیندار	اردو	لاہور
۲	الحديث	اردو	امرتسر
۳	روزنامہ انقلاب	اردو	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴	روزنامہ سیاست	اردو	لاہور
۵	اختار	"	لاہور
۶	الواعظ	"	پٹیاہ
۷	البرہان	"	لاہور
۸	البشری	انگریزی	قادیان
۹	الضاح	اردو	جلندھر
۱۰	الفقیہ	"	امرتسر
۱۱	الفضل	"	قادیان
۱۲	الحکم	"	قادیان
۱۳	الحکیم	"	لاہور
۱۴	الاسلام	"	لاہور
۱۵	الکمال	"	لاہور
۱۶	المعارض	"	امرتسر
۱۷	المنیر	"	لاہور
۱۸	انکارہ	"	امرتسر
۱۹	انوار الصفا	"	امرتسر
۲۰	ڈاکٹر	"	لاہور
۲۱	درخشف	"	سیالکوٹ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۲	فاروق	اردو	قادیان
۲۳	مہر و	"	لاہور
۲۴	ہزار داستان	"	"
۲۵	ہمایون	"	"
۲۶	حریت	"	"
۲۷	انڈین آپینکٹ	"	"
۲۸	انڈین سٹوڈنٹ کیسز	انگریزی	"
۲۹	اتخاب لاجواب	اردو	"
۳۰	الغلاب	"	"
۳۱	اشاعت اسلام	"	"
۳۲	اشاعت القرآن	"	"
۳۳	اصلاح	"	لدھیانہ
۳۴	اسلامک ورلڈ	انگریزی	لاہور
۳۵	اسماعیلی مذمت	اردو	راولپنڈی
۳۶	استقلال	"	پانی پت
۳۷	اتحاد اسلام	"	امرتسر
۳۸	اکائیٹی نیشنل بیگزین	"	لاہور
۳۹	کشمیری	"	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۰	منظر	اردو	لاہور
۴۱	مشیر الاطباء	"	"
۴۲	مسٹرگزٹ	"	"
۴۳	محبت	"	"
۴۴	مسلمان	"	سودھارا
۴۵	مسلم آؤٹلک	انگریزی،	لاہور
۴۵	مسلم راجپوت	اردو	امرتسر
۴۶	مزارع	"	جالندھر
۴۷	نقشبند	"	سیالکوٹ
۴۸	نور	"	قادیان
۴۹	نیزنگ خیال	"	لاہور
۵۰	نصرت	"	"
۵۱	پیشہ اخبار	"	"
۵۲	پیام محبت	"	"
۵۳	بھول	"	"
۵۴	پولیسکل رہنما	"	"
۵۵	پولیسکل رہنما	"	امرتسر
۵۶	پنجابی خیالات	"	بٹالہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵۷	رفیق صادق	اردو	بٹالہ
۵۸	رفیق تسلیم	"	لاہور
۵۹	رہنمائے صحت	"	لاہور
۶۰	ریلوے یونین	"	"
۶۱	ریاض ہند	"	امرتسر
۶۲	رسالہ انجمن حمایت اسلام	"	لاہور
۶۳	رسالہ سنج	"	لدھیانہ
۶۴	رسالہ شیخ قانون گو	"	لیالپور
۶۵	سنت	"	لاہور
۶۶	شباب اردو	"	لاہور
۶۷	سلک مروارید	"	بٹالہ
۶۸	سیاست	"	لاہور
۶۹	صوفی	"	پنڈی بہاوالدین
۷۰	طیب	"	لاہور
۷۱	تبلیغ	"	لاہور
۷۲	تبصیر الطالب	"	شہادہ
۷۳	تفہیم	"	لاہور
۷۴	رسالہ عالمگیر	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۷۵	تاریخ	اردو	لاہور
۷۶	تہذیب النہول	عربی	لاہور
۷۷	توحید	”	امرتسر
۷۸	استانی	”	بٹالہ
۷۹	دین	”	لاہور
۸۰	وکیل	”	امرتسر
۸۳	ادبی دنیا	”	لاہور

۸۔ برصغور

۱	ارکان نیوز	انگریزی	اکباب
۲	شیر	اردو	رنگون

ہندوستان کے بعض مسلمان اخبارات میں الاقوامی شہرت رکھتے ہیں جو انگریزی میں طبع ہوتے ہیں، پروفیسر آف لیجن، رتھادیان، مسلم آؤٹ لک، لاہور، مسلم گرائیڈل (مدراس) تیس دھاکہ قابل ذکر ہیں، انگریزی رسالہ مسلم ریویو اور حیدرآباد کا انگریزی رسالہ اسلامک کچر بہترین علمی اسلامی رسالے ہیں، جنہوں نے اسلامی علوم و فنون و تمدن کی خوبیوں کو ہر طرح آشکار کیا ہے اور اخبار جامعہ قبل التین لکھنؤ بھی جو عربی اور فارسی میں نکلتے عالم اسلامی میں بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے، دہلی لائٹ (لاہور) اور اسلامک ورلڈ (لاہور) مسلم شن کے اخبارات ہیں۔

۴۔ افغانستان

مسلمانوں کا پہلا علمی اخبار افغانستان میں ۱۹۰۷ء میں جاری ہوا امیر امان اللہ خان کے دور حکومت میں کئی ہونہار اخبارات نکلے لیکن گردش زمانہ نے ان کو سنبھلنے نہ دیا، امان افغانستان ۱۹۱۷ء کا بل سے اتحاد

مشرق (۱۹۲۷ء) جلال آباد سے شائع ہوئے، لیکن ابھی تک کوئی نمایان ترقی اس باب میں نہیں ہوئی، شاہ نادر کے دور میں ۱۹۲۷ء کی اخبار اصلاح فارسی میں نکلنا شروع ہوا ہے، ہرگز، کابل اور جلال آباد سے علاوہ ان اخباروں کے ایک ایک اخبار اور نکلتا ہے لیکن زیادہ تر یہ سب فارسی میں شائع ہوتے ہیں،

۵۔ جاپان و لنکا،

ہندوستانی مسلمانوں نے تو گویا سب سے اول پہلا اسلامی اخبار ار اپریل ۱۹۲۷ء میں شائع کیا لیکن زیادہ عرصہ تک نہ چلا، مسلمانوں کی حالت جاپان میں زیادہ اچھی نہیں ہے، صرف چند طالب العلم تو گویا کچھ سوداگر یا کوہا اور کوچی میں قائم گزین ہیں،

لنکا سے صرف کریمیت کی اشاعت ہوتی ہے،

۶۔ جمع الجزائر مشرق ہند

اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ان جزائر میں بہت زیادہ ہے لیکن پڑھے لکھے اشخاص کی بے حد کمی ہے، مسلمانوں کی کئی علمی مجلسیں بھی ہیں، جنہیں شرکت اسلام و محمدی اور بدو آئیم بہت با اثر ہیں، ان میں سے چند اہم مقامات ہیں، سورابیا، اورینٹاویا خاص اخباروں کے مرکز ہیں، اور اسلامی اخبار حبیب اللہ مختلف جزایروں سے نکلے ہیں

نام جزیرہ	تعداد	نام جزیرہ	تعداد
جاوا	۸	جاوا کے قریب کے جزائر	۳۶
سوماترا اور آس پاس کے جزیرے	۱۰		

مسلمانوں کے پانچ مذہبی رسائل اور تین عربی رسائل بھی شائع ہوتے ہیں جنہیں لائٹ آن سمارٹ، نیگ با، نیگ سوماترا، لائٹ آف انڈیا، لائٹ آف مناسبا، لائٹ آف اسلام، لائٹ آف اسلام، اگریری منٹ اور ڈس اگریری منٹ، اور وحی امیریا آف اسلام بہت مشہور ہیں، گوکہ تجارت کی حالت ان دنوں بہت خراب ہے لیکن اس پر بھی ان اخبارات کا وہاں پر ہونا یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام ان لوگوں میں زندہ ہے اور اس کی بجائے

حالت میں وہ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں، مشہور شہر جن سے اخبار نکلتے ہیں وہ مع تعداد اخبار حسب ذیل ہیں،

نام شہر	تعداد	نام شہر	تعداد
ولٹیورڈن	۱۶	سولو	۷
ٹیویا	۱۶	بنڈنگ	۵
سیازنگ	۱۰	سوریرا	۵
پیڈانگ	۱۰	مدان	۵
جوکیتر	۹		

اور باقی اخبارات ادھر اور دھر چھوٹے چھوٹے مقامات سے نکلتے ہیں، بہت سے اخبارات عہد سلطنت اسلام کے زمانہ کرنے کے فوہشمند ہیں اور بہت زیادہ تعداد ان اخبارات کی بھی ہے، جو ترکی کے حامی ہیں، پردہ اٹھانے کی خواہش اور یورپ کے مقابلہ کرنے کی امنگ۔ ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہے، تاج اسلام،، زیادہ تر مسلم اتحاد اور مسلمانوں کی ترقی کا حامی ہے، اس میں مسلم کنون، مسلم وکانون اور مسلم کارخانوں ہی کے اشتہار چھپتے ہیں مضمون بیشتر رسول کریم کی پیدائش، خلفائے راشدین کے اخلاق و عادات اور انصاری کی ممان نوازی وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں، انجیل مسلم اخباروں کی مجموعی تعداد جو ان جزائر میں شائع ہوتی ہے (۱۰۰) سے کچھ اوپر ہے۔

۷۔ فارس

فارس میں ۱۵۱۷ء سے قبل کوئی مطبع نہ تھا، ۱۹۰۶ء میں دستور سلطنت کے بننے پر صرف تین باچار اخبار نکلتے تھے، اور ان کی بھی کوئی زیادہ اہم حیثیت نہ تھی، فارسی زبان میں مشہور اخبارات زیادہ تر فارس کے باہر سے نکلتے تھے، قاہرہ، لندن اور کلکتہ سے ان کی اشاعت ہوئی، کلکتہ سے حبیب المتین ۱۸۹۶ء میں نکلا، تریا، قاہرہ سے ۱۸۹۷ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوا، اور بعد اُس کی جگہ پرورش نے لی، لیکن انقلاب کے بعد صدر اسرافیل نسیم شمال، اور مسادات نے ترقی پکڑی، اس عرصہ میں سیکڑوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے اخبارات نکلتے آ رہے ہیں۔

دوبرباد ہو گئے، جسکی تعداد کم از کم ۳۵۰ تھی، نومبر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک اخبار اور میگزین نکلنے جو حسب ذیل مقام پر شائع ہوئے:

طهران (۱۸) شیراز (۲) تبریز (۴) رشت (۴) اصفہان (۳) مشهد (۳) کرمان (۳) کرمانشاہ (۳) کوہی (۳) بوئشمہ (۱) مشہور ادبی رسائل، آرسخان، بہار، فروغ تربیت، دانش، مہات و حیات، فردوسی اور ایرانشہر مین، آخری رسالہ برلن سے نکلتا ہے، اور وہاں کے مشہور اخبارات کے نام یہ ہیں، ایران، آگاہ، بامداد، روشن، جهانی، اور جهان بین ہیں، آخری اخبار نسوانی ترقی کا حامی ہے،

فارس کے اخبارات اسلامی اتحاد اور قومی ترقی کے حامی ہیں، اور انھیں کی تبلیغ کرتے ہیں۔

۸۔ افریقہ

کوہ اٹلس کے مالک ترکی سے بھی زیادہ مست تھے، تونس میں پہلا اخبار ۱۸۸۲ء میں نکلا اور بعد اُس نیچے میں ترقی ہوئی، البتہ تنی اور المعیار یہودی اور عربی اخبار تین، الزہراء ہی صرف اکیلا روزنامہ ہے جو سنہ ۱۹۰۲ء سے عبدالرحمن کے زیر ادارت نکلتا ہے، لیکن جو انون میں اب ترقی کی راہ پر گئی ہے، اور ترکی سے برابر خط و کتابت جاری رہنے سے تونس میں ایک نوجوانوں کی جماعت کا الگ اخبار نکلتا ہے جس کا نام التونس ہے، اس کا فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہوتا ہے، حیدری اللہ، الہوا، الہواک، مرشد، الامہ، اور الثواب دوسرے اخبار دن کی اشاعت صبحی ہیں، طرابلس میں صرف ایک یادو اخبار نکلتے ہیں لیکن یہ بھی گورنمنٹ کے ہیں،

الجہاز ترکی ترقی بھی خاصی ہے، روزنامہ اخبار الجہاز اور ان، اور ٹکسن سے نکلتے ہیں، لیکن ۱۹۲۳ء سے پہلے اخباروں کی حالت یہ خراب تھی، سنہ ۱۹۱۹ء میں تیجر سے پہلا اخبار نکلا، عربی کا پہلا اخبار جو نفیس سے نکلا، وہ ۱۹۲۳ء میں تھا، اس کی ضخامت صرف چار صفحوں کی تھی، اور اخبار تلفوف سے موسوم تھا، سہاولی سے ۱۹۲۳ء میں پہلا اخبار نکلا جس کا نام منبع لوتھا لیکن اسکی اشاعت (۷۵۰۰) تھی،

جنوبی افریقہ میں صرف مسلمانوں کے دو اخبار ہیں جو گجراتی اور انگریزی زبانوں میں نکلتے ہیں، جنوبی اور مشرقی افریقہ میں اسکی کافی اشاعت ہوتی ہے، اس کا نام دی انڈین دیویز ہے، مذاکام مسکین مسلمانوں کا ایک بھی

اخبار ہینن ہے، جزیرہ مارٹیس سے مسلمان صرف ایک اخبار فرنیسی زبان میں نکالتے ہیں،

۹- چین

یورپ میں چھاپہ کی ایجاد سے پہلے اہل چین کو اخبار نکالنے کا شوق تھا لیکن مسلمانوں کا کوئی اخبار نہیں نکلتا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں کل چار اخبار اور میگزین مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے۔ اسلامک ریویو، یانان فو (مغربی چین) سے ایک نہایت عمدہ پرچہ نکلتا ہے۔ معانی زیادہ تر اسلامی اتحاد اور مسلمانوں کی قومی بیداری پر ہوتے ہیں جنہیں بہت پرورش الفاظ میں اپنی صحافت کی تبلیغ کجاتی ہے۔ مسلمین الاقوامی تحریک کا پرچہ لائٹ آف اسلام نکلتا ہے۔ شیخ ہوتا جو صرف مذہبی تحریکوں کا بانی و مبانی ہے اور مسلم لیڈروں کی تصویریں وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے۔

۱۰- روس

روس میں نجاشناری قازان، باکو، اور برگ اور لینن گریڈ اخباروں کے خاص مرکز ہیں، قازان میں سکونین کتبوں کی اشاعت ہر سال ہوتی ہے اور ۱۰۰ مسلمانوں کا روحانی، مذہبی، سیاسی اور معاشی مرکز ہے، افانک مسلمانوں کی مذہبی جماعت کا مرکز ہے، اولون برگ، تفس اور ٹرانسک اس حیثیت سے قابل ذکر ہیں، "ملت" مسلمانوں کا پہلا اخبار تھا جو آئیس بیگ غیبرنکی کے زیر ادارت شائع ہوا، مسلمانوں کو اخبار دہنی سے کافی دلچسپی ہوتی جا رہی ہے، اور اشاعت بہت زیادہ بڑھ رہی ہے،

کریما کا اخبار "ترجمان" جس کی طباعت ۵۰۰۰ ہے بہت مشہور و معروف ہے، یہ ۱۹۷۰ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوا، دوسرا روسی اخبار "میر اسلام" بہت زور و نون میں ترقی کر رہا ہے، اس میں توحید، رسول کریم کے فضائل اور خلافت کے متعلق مضمون شائع ہوا کرتے ہیں،

کوہ قاف میں مسلمانوں کا اخبار باکو سے نکلتا ہے،

۱۱- بلغاریہ

بلغاریہ میں اسلامی اخبار دارنا، راس گراڈ، رشک، شملہ، صوفیہ، فیلوپس، اور برگن سے نکلتے ہیں جو زیادہ

ترتر کی زبان میں ہوتے ہیں اور قابل ذکر اچالی، ضیا، ترندشا، اور مولانا،

۱۲۔ یوٹا، امریکہ اور اسٹریلیا،

مسلم اخباروں نے مغربی تہذیب میں کافی اثر پیدا کیا ہے اور اسلام کا یوٹو (احمدیہ) پہلی مرتبہ انگلستان شائع ہوا، برلن میں مسلمانوں کا دوسرا اخبار الیوتاتین زبانوں میں شائع ہوتا ہے، زیادہ تر بانٹوک تحریک اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے سیاسی مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ ۱۹۲۰ء سے مسلم یوٹو دوسرا پرچم بھی برلن میں بہت ترقی کر رہا ہے، فرانس میں تین مسلم اخبار شائع ہوتے ہیں،

برازیل سے چار مسلم اخبار نکلتے ہیں، ارجنٹائن، برٹش گائنا اور ٹرنڈو سے ایک ایک اخبار شائع ہوتا ہے، باشندگان شام مقیم امریکہ کے پانچ اخبار ریاستہائے متحدہ میں چھپتے ہیں، اور تین میگزین ہیں جو صرف اسلام کے متعلق مضمون شائع کرتے ہیں، الہدیٰ بہت مشہور ہے، اور کافی خریدار رکھتا ہے، گو کہ امریکہ ایک ترکی اخبار بھی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے،

مسلم سن رائیڈ پہلا اسلامی اخبار ہے جو ریاستہائے متحدہ سے شائع ہوا، یہ بھی احمدی جماعت کا اخبار ہے، اور اسلام، توحید رسول کریم کے فضائل کے متعلق کافی روشنی ڈالتا ہے، یہ محض شن کا اخبار ہے اور نمبر میں امریکہ کے نو مسلم لوگوں کے نام چھاپتا ہے، دی اورینٹ مسئلہ ۱۹۲۵ء سے سید حسن کے زیر ادارت شیکاگو سے نکل رہا ہے، وہ امریکن قوم میں کافی شہرت رکھتا ہے،

اور بعینہ اسی قسم کا ایک دوسرا اخبار مسلم سن شائن پرتھ (اسٹریلیا) سے نکلا کرتا تھا،

انکوئیشن اور اس کی آتش فشاں

یعنی
کلیسا روما کے محکمہ احتساب عقائد کی سرگزشت

از جناب محمد عابد صاحب ایم اے ال ال بی علیگ فین دارالمصنفین

بیرون مسیح کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہ ہے کہ اُس نے اپنی تبلیغ و اشاعت کے لیے تلوار سے کام لیا اور غیر مسلموں کے سامنے قرآن اور تلوار کو یک وقت پیش کر کے بڑا یخین اپنا حلقہ بگوش بنایا، اس دعوے کے ثبوت میں مسلمان امراء و سلاطین کے نام پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی فتوحات اور ملک گیر ان تبلیغ اسلام کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے، امین، فضلاء یورپ کا معیار تحقیق نہایت بلند تھی لیکن اس ضلالت اندیشی کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے جو اسلام کے متعلق ہمیشہ انھوں نے ظاہر کی اور جس پر باوجود اس فضل و کمال کے اب بھی یخین اسرار ہے، کسی مذہب کے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول و قوانین کا مطالعہ کیا جائے نہ کہ اس کے متبعین کے افعال و اعمال کا، کسی فرہم جماعت کی کج روی سے مذہب کی تنقیص نہیں ہو سکتی، تاریخ مذاہب کا یہی وہ اہم ترین نکتہ ہے جسے نظر انداز کر دینے سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بہر حال مسیح کے وہ نام لیا جوتھون نے اسلام کے جو روحانی کی داستانیں تصنیف کر کے تمام دنیا میں پھیلائی، دیکھنا چاہئے کہ خود ان کا طرز عمل اپنے مذہب کے بارہ میں کیا تھا اور ان و محبت کے زبانی دعوتوں کے ساتھ ان کی آتش فشاں کیا کس درجہ قیامت خیز اور ہلاکت آفرین تھیں، بحیثیت

۱۔ اس مضمون میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ (۱) گین تاریخ روم (۲) مٹوئیس ہسٹری آف وی ورلڈ جلد ۲ (۳) انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۲ (۴) تاریخ یهودائیزم (۵) مورس ان اسپین از لین پول۔

دنیا کے لیے ایک رحمت بن کر آئی تھی اور اس میں شہہ نہیں کہ ابتدائی تین صدیوں میں اس نے صلح و امن اور رافت و رحمت ہی کی مثالیں پیش کیں، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب اسے کسی طرح کی قوت حاصل نہ تھی، اور روم کی بہت کم سلطنت کا استبداد و سراسر اٹھانے کا موقع نہ دیتا تھا، چوتھی صدی کی ابتدا میں جب قسطنطین شہنشاہ رومنہ میں عیسوی کو قبول کیا اور اس کے اثر سے بیشتر اراکین سلطنت بھی اس دین کے حلقہ بگوش بن گئے، اس وقت سے مسیحیت نے ایک دوسرا قالب بدلا اور جو تلواریں اس کے ہاتھ میں آئی تھیں اس کو بے دریغ چلانا شروع کیا، بے دینوں اور غیر مذہب والوں کیساتھ جو مظالم روا رکھے گئے، ان کی داستان نہایت درد انگیز ہے لیکن یہ اس کا موقع نہیں اس مضمون میں صرف انکوئزیشن یعنی محکمہ احتساب عقائد کی مختصر تاریخ بیان کرنی ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ کلیسائے روم نے بیگانوں کے ساتھ تو جو کیا وہ کیا خود اپنوں کے ساتھ اس کا برتاؤ محض اختلاف عقائد کی بنا پر کس قدر جانگلا زور و روح فرسا تھا اور کیونکر لاکھوں بندگان خدا محض اس جرم میں زندہ جلا دیے گئے، مگر انھوں نے بعض مسائل میں کلیسائے روم سے اختلاف کرنے کی جرأت کی اور اپنی ہدایت کے لیے پاپائے روم کے فرمان کی بجائے کتاب مقدس اور ارشاد مسیح کو کافی سمجھا، تاریخ تقدی کے صفحات میں ہوں لایکون اور خوشنایون کی متعدد مثالیں ملینگی جن کے تخیل سے روٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن یہ تمام مثالیں انفرادی حیثیت رکھتی ہیں کہ ان کے مرتکب اشخاص و افراد تھے، یہ امتیاز صرف انکوئزیشن کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی باؤشا یا امیر کے جوش مذہب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ نامتو اس نظام کے ماتحت تھا جسے کلیسائے روم نے اپنی قدوسیّت کے استحکام کی غرض سے قائم کیا تھا، ایک اور خصوصیت جو اسے تمام دوسری قدیوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ اس کی تمام کارگذاریان بضابطہ عدالتوں کے ذریعہ عمل میں آئیں اور اس طرح ظلم و ہلاکت کی انتہائی مثالوں پر عدل و انصاف کی چادر ڈال کر ان کی ہوں لایکون کو دو بالا کر دیا گیا،

انکوئزیشن (Inquisition) اس محکمہ کا نام ہے جسے کلیسائے روم نے احتساب عقائد کی غرض سے قائم کیا تھا، اس کا فرض تھا کہ عیسائیوں کے عقائد کی جانچ کرے اور ان میں سے جن کے عقائد کلیسائے

بھی اس کے اختیار میں تھا اور اس اختیار کو وہ آزادی سے استعمال کرتی تھی، پولوس کا ہناؤس اور سکندر کو شہنشاہ کے حوالے کر دینا اسی اختیار کی بنا پر تھا،

چوتھی صدی کی ابتدا تک جیسا کہ کہا جا چکا ہے، مسیحیت کو کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی، اس لیے اس کے دور آغاز میں تشدد و تعدی کی تلاش بے سود ہے، اس دور کے تمام شاہیر علمائے کلیسا نے مذہبی تعدی سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا ہے، وہ خوب جانتے تھے کہ دین کو قبول عام صرف رفق و ملاطفت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، وہ حضرت مسیح کے زمانہ سے قریب تر تھے، اور دولت و حکومت کے نشہ سے ہنوز نا آشنا تھے، لیکن قسطنطین کے قبول مسیحیت کے بعد ہی حالت بالکل بد گئی، اور عیسائیوں کو اب تک جتنے مظالم سیدنیوں کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑے تھے ان کا پورا بدلہ انھوں نے لے لیا، قسطنطین نے ۳۱۳ء میں فرمان ملان نافذ کیا، اور تمام سلطنت میں رواداری کا اعلان کیا، لیکن غلامانِ مسیحیوں کے ساتھ تشدد و ظلم کا برتاؤ ہوتا تھا، سب سے پہلے یہود اس زردین آئے، قسطنطین نے کوشش کی تھی کہ یہود دینِ عیسوی قبول کر لیں، اس غرض سے انہیں علمائے یہود و نصاریٰ کے درمیان مباحثے بھی کرائے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا اور اسے قطعی مایوسی ہوئی، چنانچہ اسی مایوسی سے متاثر ہو کر اس نے یہود کے خلاف نہایت سخت قوانین نافذ کئے، مثلاً اگر کوئی یہودی کسی عیسائی کی جان کو خطرے میں ڈالے تو وہ زندہ جلادیا جائے، یہود اگر غیر مذہب والوں کو اپنے حلقہ دین میں لائیں تو ان کو شدید ترین سزائیں دی جائیں، کسی یہودی کو عیسائی غلام رکھنے کی اجازت نہ تھی، یہ سلوک تو ان کے ساتھ تھا جو عیسائی نہ تھے، لیکن اس سے زیادہ سختی کا برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا تھا جو عیسائی تھے مگر عقائد میں کسی قدر اختلاف رکھتے تھے، ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں، محکمہ اعتبار عقائد بھی اس نام سے قائم نہ ہوا تھا، لیکن ان تمام تعدیوں میں وہی روح کارفرما تھی، قسطنطین نے فرقہ دوناتس (Donatists) کے لوگوں کی جائدادین ضبط کر کے انھیں جلاوطن کر دیا، یہ فرقہ مذہباً مسیحی تھا، لیکن بعض جوئیات میں شہنشاہ کے عقائد سے اختلاف رکھتا تھا، اسی طرح اپرپس (Apostles) میں ایک مشہور فرقہ

کابانی سے کو اس نے کافر قرار دیا اور بیان تک حکم دیدیا کہ جس شخص کو اس کافر کی کوئی کتاب ملے وہ اُسے جلاوطن کرے اور اگر نہ جلاوطن کرے تو اس کی گردن مار دیا جائے،

بیش

مستظلمین کے بعد اس کے جانشینوں نے بھی اختلاف عقائد کو جرم قرار دیا اور کچھ تعزیری قوانین نافذ کئے، تصدیق
اول (Meccon) نے اس معاملہ میں نہایت تشدد برتا اور پندرہ سال کی مدت میں (تین سو تالیف)

ایسے پندرہ فرامین جاری کئے جن میں مخالفت عقیدہ رکھنے والوں کے لیے سخت سزائیں قائم کیں، مبتدعین (مبتدعین) نہ صرف کلیسا سے خارج کر دیئے گئے بلکہ بعض صورتوں میں ان کی جائیدادیں بھی ضبط کر لی گئیں اور ان کو

جلاوطن کر دیا گیا، ان کے تمام گرجا ان سے لے گئے اور شہروں کے اندر ان کے جلے منوع قرار دیئے گئے، جن مکانوں میں یہ جلے ہوتے تھے وہ ضبط کر لیے جاتے تھے، ان کو رعیت کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ وہ

کے مستحق سمجھے جاتے تھے، جو جائیدادیں ان کو اپنے والدین سے ترکہ میں پہنچی تھیں وہ حکومت کے قبضہ میں آجاتی تھیں، البتہ اگر وارث بچہ ہوتا اور وہ شہنشاہ کے مذہب کو قبول کر لیتا تو اس کو ترکہ دیدیا جاتا، غرض مبتدعین

کے خلاف بیشتر ایسے ہی سخت قوانین جاری کئے گئے اور تصوید و سپس نے ان کی بجائی میں پوری سرگرمی دکھائی، مزید تفصیل گہن کے صفحات سے معلوم ہو سکتی ہے، بعض فرقوں کو اس نے موت کی سزائیں بھی دین مست

پہلے اسی نے محاسب عقائد (Maximus) مقرر کئے جن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد کی جانچ کریں اور شہنشاہ کو اختلاف رکھنے والوں کا پتہ دین، محاسب عقائد کے نام کا پتہ اول اول تصوید و سپس کے عہد

میں ملتا ہے، لیکن خود احتساب عقائد کا عمل اس سے قبل ہی جاری تھا، مستظلمین نے بھی جو پہلا مسیحی شہنشاہ تھا ابریس، اور دوسرے مبتدعین کے خلاف اسی قسم کی تفتیش جاری کی تھی،

لیکن باوجود اس کے کہ حکومت کی طرف سے اتنی سختی کا برتاؤ ہو رہا تھا خود کلیسا زیادہ تشدد کا مظاہرہ نہ تھا، اور علاوہ دو ایک کے اس کے اور تمام ذمہ دار انتخاص سزائے موت کے مخالف تھے، چنانچہ شہنشاہ

جب اپنی مبتدع پرسلین (Maximus) شہنشاہ میکسس کے حکم سے قتل کیا گیا

تو کلیسا میں اس واقعہ پر بحث مباحثہ ہوا، اور سینٹ مارٹن، سینٹ ایمر فور، اور سینٹ یون نے ان ایسی ہی استغفون کی نہایت شدید ملامت کی جسکی تحریک سے قتل ہوا تھا، سینٹ آگسٹائن کے نزدیک بدعت کی سزائیں دے لگانا، جواز نہ کرنا، اور جلاوطن کر دینا کافی تھا اور سینٹ جان کراؤسوسٹم (St. John Chrysostom) کی رائے تھی کہ مبتدعین کی تقریریں ان کے جملے ممنوع قرار دیے جائیں، قتل کی نسبت اس کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسے جرم کو دنیا میں رواج دینا ہے جس کو کوئی کفارہ نہیں، چنانچہ کلیسا کی اسی ذمہ داری کا نتیجہ ہے کہ چھٹی صدی سے لیکر نویں صدی تک مذہبی ترقی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں،

لیکن دسویں صدی میں فرقہ کھاری (Heresy) نے سر اٹھایا اور اس کا اثر فرانس اور گرویش کے ممالک میں تیزی سے پھیلنے لگا، اس فرقہ کو ان ممالک میں زیادہ کامیابی ہوئی جہاں تعلیم اور تہذیب و تمدن کی سطح ارباب کلیسا کی حرص و طمع کے خلاف بیزاری و زبرد زیادہ ہوتی جاتی تھی، یہ کیفیت جزوی فرانس اور شمالی اٹلی میں بہت نمایاں تھی، چنانچہ مجلس کلیسا نے ان کے خلاف جو فرمان نافذ کیا اسکی تعمیل محض اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ اس حصہ ملک کے تقریباً تمام اہلکار (Bishops) نے ان کی پشت پناہی کی، نتیجہ یہ ہو کہ ان کی تعداد بہت بڑھ گئی، لیکن ان کا یہ اثر اور زور تمام ملک میں نہ تھا، شاہ فرانس کلیسا سے رومہ کا متبع تھا، اور کھاری کے عقائد کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس فرقہ کے تیرہ آدمی ۱۲۲۷ء میں اس کے حکم سے زندہ جلا دیے گئے، قرون وسطیٰ میں سترائے موت کی یہ پہلی مثال تھی جو اختلاف عقائد کی پاداش میں ایک والی حکومت نے قائم کی، اس کے بعد فرانس اٹلی، سلطنت رومہ اور انگلستان میں مبتدعین کو بارہا موت کی سزائیں دی گئیں، کبھی وہ پھانسی پر لٹکا دیے جاتے، اور کبھی زندہ جلا دیے جاتے تھے، لیکن صحیح طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تقریباً سترہ ائمہ خود کلیسا کو اس امر میں کمان تک دخل تھا، اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک عقائد کی جانچ کا تعلق ہے یہ کام ربابہ کلیسا ہی نے انجام دیا ہوگا، رہا سز کا معاملہ تو ممکن ہے کہ انھوں نے براہ راست اسکی تحریک نہ کی ہو بلکہ حکومت نے بطور خود اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو اور ملک نے حکومت کا ساتھ دیا ہو، چنانچہ سترہ ائمہ میں فرقہ کھاری

کے تیرہ آدمی جو زندہ جلا دیئے گئے ان کی موت کی ذمہ داری کلیسا کے سرنہین ہے بلکہ شاہی فرمان کی تعمیل خود ملک والوں نے کی، اسی طرح بارہویں صدی کے آخر تک مبتدعین کو قتل و آتش کی جو سزا دی گئی وہ بیشتر حکومت کے ذمہ دار شخصوں اور عوام کے جوش مذہب کا نتیجہ تھیں، تاہم اس زمانہ میں بھی بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں جنہیں یہ سزا نہیں ملیا، چنانچہ ۱۱۷۳ء میں جو لوگ بمقام دیریلے (Wareham) زندہ جلا دیئے گئے، انکی سزا کا حکم وہاں کے رئیس رہبان اور متعدد اسقفوں ہی نے نافذ کیا تھا، ۱۱۸۳ء سے ۱۲۱۳ء تک اکثر (Acce) کے اسقف ہیوں نے مبتدعین کو جلا وطن کرنے، ان کی جائیدادیں ضبط کر لینے اور ان کو جلا دینے کے اختیارات بالکل اپنے ہاتھ میں رکھے تھے، اسی طرح رائس (Evesham) کے اسقف اعظم ویم نے بھی فلپ کاؤنٹ ملینڈرس کی مدد سے بدعت و زندقہ کا استیصال اپنے ضلع سے بزور آتش کیا،

بارہویں صدی میں اہل کلیسا کی حرص و طمع اور ان کی ظاہر داری و دیار کاری کا احساس عام طور پر لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا، کتاب مقدس اور علوم مذہبی کا اجارہ پادریوں نے لے لیا تھا، اور اس کے تحت وہ اس سختی سے محتاط تھے کہ کسی شخص کو بغیر ان کی اجازت اور توسط کے انجیل کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل نہ تھا، یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس کی اصلاح کے لیے اکثر ولوں میں بچپنی کے آثار پائے جاتے تھے چنانچہ ۱۱۷۳ء میں جب پیٹر والدو (Peter Waldo) نے اصلاح کا علم ہاتھ میں لیکر قدم اٹھایا تو بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے، والدو انجیل کی تبلیغ حوالین مسیح کے طریقہ پر کرتا تھا، اس کا مقصد تھا کہ دین کو اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جائے، اس گروہ کو جو تالیخ میں والدنسٹر (Waldenses) کے نام سے مشہور ہے ابتدا میں کلیسا سے روم سے علیحدہ ہو جانے کا مطلق خیال نہ تھا، وہ محض دین کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا چاہتے تھے، چنانچہ جب بیون (Bologna) کے اسقف اعظم نے ان کو تبلیغ سے منع کیا تو بجائے اس کے کہ خود دوسری اور سرکشی کا اظہار کرتے انھوں نے عقائد میں پوپ سکندرنائٹ کی خدمت میں اجازت حاصل کرنے کے لیے درخواست پیش کی، لیکن جب ۱۱۸۳ء میں پوپ سیسٹا

نے ان کو کلیسا سے خارج کر دیا تو انھوں نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی، اس فرقہ کا اثر ان ممالک میں زیادہ پھیلا ہوا ہے۔
کے باشندے کلیسا سے روم کے پادریوں سے بیشتر ہی سے بیزارتھے، مثلاً جنوبی فرانس، اور شمالی اٹلی، پروان ولایت
کی کامیابی کا پہلی سبب یہ تھا کہ انھوں نے بحال کے مطالعہ اور اس پر غور و فکر کی اجازت عام کر دی تھی، لیکن یہ حالت
زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی، پوپ (نوسٹ ثالث نے زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے
سفر کو استیصال بدعت کے غیر محدود اختیارات دیگر ان ملکوں میں روانہ کیا، ان سفار نے پہنچ کر پہلے مختلف فیہ
پر مباحثے کیے لیکن جب اس طریقہ سے انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر ظلم و تعدی کے وہ تمام وسائل
اختیار کئے جن سے مسیح کر کے انھیں بھجایا گیا تھا،

جنوبی فرانس میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کلیسا روم کے خلاف مختلف فرتے کیے جو دیگرے
اٹھتے رہتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی حد تک کامیابی حاصل ہوتی تھی، چنانچہ تیرہویں صدی کے شروع
میں بھی ایجنٹس (رجسٹریٹرز) نے سر اٹھایا اور اس عام بیزاری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جو پادریوں
کے تشدد اور سخت گیری کی وجہ سے لوگوں میں پائی جاتی تھی، لیکن کلیسا سے روم کو اپنی قوت پر اعتماد تھا
اُس نے اس فرقہ کے خلاف ایک مذہبی جنگ کا اعلان کر کے اپنے سفیر ارناؤ کو اس ہم پر مامور کیا، ارناؤ
نے وہ سب کچھ کیا جس کی اس سے توقع تھی، اس نے استیصال بدعت میں قتل و غارتگری کی ایک ایسی مثال
قائم کی جو کلیسا کی آئندہ تعدیوں کے لیے اپنے اندر ایک سند جواز رکھتی ہے، اس کے طریق عمل نے نہ صرف ایک
خاص فرقہ کا استیصال کیا بلکہ اس بات کو ثابت کر کے دکھا دیا کہ کلیسا کی کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن
ہے، اگر تیغ و آتش کا استعمال نہایت آزادی سے کیا جائے، چنانچہ ۱۲۲۲ء میں ٹوئوز کی کونسل نے احتساب تھا
و تعزیر بدعت کا ایک حکم قائم کیا جو بعد میں اپنے نظام اور دستور عمل کے ساتھ انکروزین کی شکل میں نمودار ہوا،
اس باب میں پر جوئش و مانروایان ملک نے بھی بہت سرگرمی دکھائی خصوصاً شہنشاہ فرڈرک ثانی نے پوپ
ہینریش ثالث اور گرگوری ناسک کی مدد سے اپنی سلطنت میں قتل و جلا وطنی اور ضبط جائداد کی سرانجام

واضح طور پر متعین کین، ان سزاؤں کا اثر بہت جلد ظاہر ہونے لگا، مقفون سزا پورے جوش کے ساتھ حکومت کی مدد کی اور اختلاف عقائد کی وہ روجو برابر بڑھ رہی تھی اب نمایاں طور پر دیکھنے لگی، دیکھ کر یوپ گورنری نے مزید تاخیر و تامل کو نامناسب خیال کیا اور انکوئزیشن یعنی محکمہ احتساب عقائد کا باضابطہ تقاضا کر کے ڈومین (Domine) (ice) فرقہ کے راہبوں کو جوابی سختی اور تشدد کی وجہ سے دوسروں میں ممتاز تھے نہایت وسیع اقتدارات دیکر استیصال بدعت کی خدمت پر روانہ کیا،

کلیسا کے محاسب روانہ ہوئے اور جبر و تعدی کی گرم بازاری شروع ہوئی، ابتدائیں یہ طریقہ تھا کہ کسی قصبہ میں پہنچکر یہ لوگ وہاں کے باشندوں کو جمع کرتے اور مبتدعین سے اعتراف گزارہ کے لیے کہتے، اگر وہ اعتراف کرتے تو سزائے موت سے بری کر دیئے جاتے، اس کے بعد ان لوگوں کی تحقیق و تفتیش ہوتی جنکے متعلق خیال تھا کہ کلیسا کے عقائد سے مخفی طور پر اختلاف رکھتے ہیں، یہ گرفتار کر کے انکوئزیشن کی عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے وہاں ان کے مقدمات کی سماعت ہوتی اور عدل و انصاف کے پردہ میں ایسی ہونناک کارروائیاں عمل میں لائی جاتیں جنکی نظیر سے تاریخ تعدی کے صفحات خالی ہیں، اس طرح ایک قصبہ سے استیصال بدعت کر کے تحسین عقائد دوسرے قصبہ میں پہنچے اور وہاں سے فاسخ ہو کر تیسرے میں شروع میں ہی طرز عمل تھا لیکن جب ابتدائی ضربوں کے بعد دست قاتل میں قوت پیدا ہو گئی اور تنگناں خون کی پیاس بھی چند گھونٹوں سے اور زیادہ تیز ہو گئی تو انکوئزیشن کی عدالتیں ہر ضلع میں قائم کر دی گئیں اور ہر صدیوں تک تمام یوپ کلیسا سے روم کی آستفشا نیوں کی نذر ہوتا رہا،

وان آئیم (Van Eim) نے طرحت کیسا تھا اس محکمہ کی کاروائیوں کو بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جسوقت کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے قوانین کلیسا کی خلاف ورزی کی ہے یعنی اس کے متفقہ عقائد سے اختلاف رکھتا ہے اسی وقت اسے طلب کیا جاتا، اگر پہلی طلبی کے بعد ہی وہ حاضر ہو جاتا تو اس کے حق میں بہتر ہو تا کیونکہ تاخیر سے اس کے جرم کا شبہ زیادہ قوی ہوتا جاتا، بہر حال عدم حاضری

کی صورت میں وہ دوبارہ اور سب بارہ طلب کیا جاتا اور بالآخر الکونزین کے سیکڑوں مخفی وسائل اُسے گرفتار کر لے ہی آتے، عدالت کا خون لوگوں پر اس درجہ مستولی تھا کہ کسی شخص کو اس مفروضہ مجرم کی نسبت کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوتی، نہ کوئی اُسے خط لکھ سکتا تھا اور نہ اسکی سفارش کر سکتا تھا، اس کا نام مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا، اور پھر عدالتی کارروائی شروع ہوتی جبکہ سلسلہ ایک مدت دراز تک قائم رہتا،

ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں بہت دنوں تک پڑے رہنے کے بعد ملزم عدالت الکونزین کے سامنے پیش کیا جاتا، حکام عدالت اس بد نصیب سے قطعی لاعلمی ظاہر فرماتے اور اس سے پوچھتے کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو اگر وہ اپنے مجرم سے اگاہ ہونے کی خواہش کرتا تو اس کے جواب میں خود اُسے اعتراف گناہ کا مشورہ دیا جاتا، اگر وہ کسی بد عقیدگی کا اعتراف نہ کرتا تو اُسے دوبارہ غور کرنے کا موقع دیا جاتا اور قید خانہ میں دس بج رہا دیا جاتا بعد پھر عدالت کے سامنے پیش کیا جاتا اور پھر اسے اعتراف گناہ کا حکم ہوتا، اگر وہ اب بھی اپنی مندر پر قائم رہتا تو اس سے اس بات کی قسم کھانے کو کہنا جاتا کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچائی سے دیگا، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرتا تو کاڑوائی دہن ختم کر دیجاتی اور اسکی سزا کا حکم سنا دیا جاتا، اگر قسم کھا لیتا تو اس سے اسکی تمام زندگی کے متعلق سوالات کئے جاتے لیکن اب بھی اُسے ان مفروضہ جرم سے مطلع نہ کیا جاتا، اعتراف جرائم کی صورت میں اس سے معافی کا وعدہ کیا جاتا مگر یہ بھی ایک چال تھی جس کے ذریعہ حکام عدالت اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے،

ان تمام مراحل کے بعد الزامات کی ایک نقل تحریری نفل میں اس کے ہاتھ میں دے دیجاتی اور ایک کیل بھی انکی طرف سے پیروی کرنے کے لیے متعین کر دیا جاتا، وکیل صاحب بجائے اس کے کہ ملزم کی بریت کی کوشش کرتے اناسے اقرار جرم کی ترغیب دیتے، سب بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ الزام لگانے والوں کا نام اسے نہ بتایا جاتا، اور نہ ان سے جرح کرنے کا اسے موقع دیا جاتا، مقدمہ کی پہلی پیشی میں اس سے صرف یہ دریافت کر لیا جاتا کہ کون کون لوگ اس کے دشمن ہیں اور ان کی دشمنی کے اسباب کیا ہیں، لیکن ان لوگوں کو طلب کرنے یا ان سے کسی قسم کے سوالات کرنے کی ملزم کو اجازت نہ تھی، مبتدعین یا ان لوگوں کی شناخت میں جو تمام ملکی حقوق سے محروم کر دیے جاتے

تھے عام طور پر بعد النون میں لائق سماعت نہ تھیں مگر عدالت انکو زین کے ملزم کے خلاف یہ تمام مردود شہادین مقبول ہو جاتیں، عورتیں، بچے اور غلام ملزم کے خلاف شہادت دینے کے مجاز تھے لیکن انکی مدافعت میں انکی شہادتیں مسموع نہ ہوتیں، جدید ہے کہ دس سال کے بچوں کی شہادتیں بھی قبول کی جاتی تھیں، اگر کوئی گواہ جس نے ملزم کے خلاف بیان دیا ہے اپنی شہادت سے عود کرتا تو اسے جھوٹی شہادت کے جرم میں سزا ملتی لیکن خود اس کی شہادت باوجود جھوٹی تسلیم کئے جانے کے اپنی جگہ پر قائم رہتی اور مقدمہ کے فیصلہ میں پوری طرح مؤثر ہوتی، کوئی شخص شہادت دینے سے انکار نہ کر سکتا تھا کیونکہ انکار کرنے والا خود مجرم قرار دیا جاتا، (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا) ملزم کو یہاں کہہ دیا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، قسم کھانی پڑتی کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچ سچ دے گا، اور کوئی بات چھپانہ رکھیگا، لیکن اگر اس کے جوابات تشکیقی بخش نہ ہوتے یعنی ان سے اسکا جرم ثابت نہ ہوتا یا جو الزامات اس کے خلاف عاید کئے گئے تھے ان کا ثبوت کافی طور پر ہم نہ پہنچ سکتا تو یہ نہ ہوتا، جیسا کہ انصافاً ہونا چاہئے تھا کہ اسے بے قصور قرار دے کر رہا کر دیا جاتا بلکہ عدالت انکو زین اپنے مفید مطلب بیان حاصل کرنے کی غرض سے اسے شکنجہ میں کسے کا حکم صادر کرتی، شکنجہ کی سزا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دی جاتی اور اس وقت تک قائم رکھی جاتی جب تک طبیب انکو زین کی راسے میں ملزم اسے برداشت کر سکتا، بالآخر اس جانکشی سے تنگ آکر اسے وہی کہنا پڑتا جو عدالت کھانا چاہتی تھی، لیکن اقرار جرم کے بعد بھی شکنجہ کی عقتوتین قائم رکھی جاتیں یہاں تک کہ آخر اسے اپنے تمام شرکار کے نام اور پتے بھی بتانا پڑتے، اقرار جرم کے یہ معنی نہ تھے کہ ملزم نے دراصل اس کا ارتکاب بھی کیا ہے، شکنجہ کی اذیتیں اس درجہ رنج فرسا ہوتیں کہ وہ موت کو ترجیح دیتا اور اس سے رہائی پانے کی خاطر مفروضہ جرائم کا اقرار کر لیتا، با این ہمہ بعض سخت جان ایسے بھی تھے جو اعتراف گناہ نہ کرتے اور آخر وقت تک اپنی ضد پر قائم رہتے، اور یہی لوگ مبتدع اور زندیق قرار پاتے،

بھرمین کی تین قسمیں تھیں، (۱) وہ جو اعتراف گناہ کر کے توبہ کر لیتے، (۲) وہ جو اعتراف گناہ نہ کرتے اور اس لیے زندیق سمجھے جاتے، (۳) وہ جو اعتراف اور توبہ کے بعد پھر بدعت و زندہ اختیار کر لیتے، لیکن

کرتوبہ کرنے والوں کی نسبت یہ خیال ہو کہ وہ سراسر بری کر دیئے جاتے تھے لیکن ایسا نہ تھا، کلیسا کے نزدیک عقوبتِ نفس کی کوئی حقیقت نہیں تھی، تاہم ان کو بھی پچھلے گنہوں کی پاداش میں کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑتی تھی انکی سزائیں گنہوں کی اہمیت کے لحاظ سے مختلف درجوں کی ہوتی تھیں، مثلاً نفس کشی دریا صحت، روزے، نمازین، مقامات مقدسہ کی زیارت وغیرہ وغیرہ، درسے بھی لگائے جاتے اور ان کے لباسوں میں سینہ اور پشت پر زرد کپڑے کی میلین ٹانگ دیا جاتی تھیں جو انکی سابقہ گناہوں کی یاد دہشہ تازہ رکھتی تھیں، قید کی سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور انکی مختلف مدتیں ہوتی تھیں، بعض لوگ تمام عمر قید میں رکھے جاتے تھے، یہ بڑا ڈان گنگا روں کیساتھ تھا جو اپنی تمام بدعتیں گنہوں سے تائب ہو چکے تھے باقی وہ جو اپنے خلاف الزامات کو تسلیم نہ کرتے اور انتہائی اذیتوں اور عقوبتوں کے بعد بھی اعتراف گناہ نہ کرتے یا وہ جو بعد توبہ کے پھر گناہ ہو جاتے انھیں عدالت انکوزیشن کی طرف سے سراسر موت کا حکم سنایا جاتا اور وہ حکومت کے پٹر کر دیئے جاتے جس پر احکام کلیسا کی تعمیل واجب تھی، چونکہ کلیسا کے نزدیک خونریزی کسی حالت میں بھی روانہ تھی اس لیے بدعت و زندقہ جیسے شدید جرم کی صورت میں بھی اس سے اجتناب کیا جاتا اور مجرم کو بجائے قتل کرنے کے زندہ آگ میں جلا دیا جاتا کہ انسانی خون کا کوئی قطرہ کلیسا ہاتھ سے زمین پر نہ گرنے پائے یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرون وسطی کے انکوزیشن اور اسکی کارروائیوں کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ ہے، اگرچہ اس محکمہ کا باضابطہ نظام تیرہویں صدی میں قائم ہو گیا تھا اور تمام سچی یورپ میں اس نظام پر عمل جاری تھا تاہم جوائشِ فنانس ان تاریخ کے صفحوں میں ہمیشہ روشن رہی ان کا نظور پندرہویں اور سولہویں صدی میں ہوا اور امتیصال بدعت کی یہ آتشیں سداوت سب سے زیادہ اسپین کے حصہ میں آئی، چونکہ یہ دروازہ انگریز داستان زیادہ طویل ہے اس لیے ہم اسے مضمون کے دوسرے حصہ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، اسی حصہ میں ہم بھی بیان کیا جائے گا کہ محکمہ اعتبار عقائد نے یورپ کے اور ملکوں میں کیا کارگزاریاں دکھائیں اور اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب رہا،

صبا و انش

از

جناب مولوی ابوالقاسم صاحب تہرور،

(سلسلہ گذشتہ)

جہالت | نفسیات کا دوسرا شعبہ جہالت حیات کی آبادی سے معمور ہے، جو حیل اور حسین لائق تھیں یا اس کے خلاف مکروہ و مباح سے پیدا شدہ حیات کی ایک وسیع سمجھاؤ، انسان کو اسون میں سے مخصوص طور پر سماعت و بصارت ان دونوں میں اس قسم کے ریشہ و دھیت ہیں جن کے سہارے ملاحظہ اشیا، یا سماعت آواز سے اس کی مسترت رد نما ہوا کرتا ہے، مظاہر فطرت کی بوقلمونی ان کی عظمت و جبروت یا کسی خوشنما تصویر یا کسی خوبصورت بت کا معائنہ یا کسی نظم کا پڑھنا، یا شننا، ان سے خوشگوار احساس کی روئیدگی شروع ہوتی ہے، اور انسانی ذل

سے فلسفہ کی خشکی کی تلافی کے لئے فلسفہ جہالت کے اہم مسائل کو نظم کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہو،

عجیب نہیں کریہ طریقہ ناظرین کرام کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

حسن کا لفظ سرحدی آج ہے و غمور بحث اس کے ہر اک حرف کو تنقید سے ہے دیکھنا

علم حیات و وجدانات و جذبات بشر، پورا سرمایہ ہے یہ فن جسمانیات کا

کس طرح ہوتا ہے احساس جمالی کا نظروں کو نسی شے ہے جو خوشنم بھسم بر ملا

کیا سبب اس کا کہ کٹھن ایک کرتا جو پسند دوسرا کرتا ہے نفرت وہ بھی کسی ناروا

کون سے اشیا کے ہیں ایسے نہایت نڈھال جس سے خوبصورت ہیں وہ اشیا نہایت خوشنما

سے ستر کی موج اٹھتی ہے، زبان کلماتِ تسلیش ادا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور اس شے جمیل کی دلکشی اور خوبصورتی کے متعلق بے انتہا رمنہ سے تعجب اور حیرت کے الفاظ نکلتے ہیں، یا ایسی حالت میں انسان ایسا خود فریاد اور کھویا جاتا ہے کہ انظارِ احساسات کے واسطے اسے لفظ تک ہاتھ نہیں آتے، شے جمیل پر اپنا قبضہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں انسان کا اس سے خال اندوز ہونا ضروری ہے، اور تحسین و تسلیش کی پچھاوڑ کے بغیر خاموش بیٹھے رہنا ممکن نہیں، تو اگر نظر اور لذتِ ملاحظہ میں اضافہ کرتا رہتا ہے جس طرح خوشگوار احساس پیدا کرنے والی شے کو جمیل کہتے ہیں اُسی طرح نفرت و اذیتِ عالم کے احساسات ظاہر کرنے والی شے بد شکل اور قبیح کہلاتی ہے، اسی کی نسبت مٹنے لگتا ہے کہ مکروہ

سحر ایسا کو نسا پوشیدہ ہے آوازیں ،
جتنا اشیائے جمیل کا جتنا ہے سب کا سب
اس طرح کے اور جتنے بھی کئے جائیں سوال
ایسے استفسار دن پر روز و درج اور غور و خوض
نظر و خاموشی کے لاکھوں مناظر بے بدل
خوبصورت کوئی بت یا کوئی تصویر چال
دیکھتے ہی سنتے ہی فوراً ہنر کے قلب میں،
دل میں بھر جاتے ہیں جذباتِ ستر کا لہا
یا خموشی اس پر چھا جاتی ہے ایسے وقت میں
لفظ تک انظارِ کیفیات کے لئے نہیں
شکلِ حرکت، رنگ اور نیز اس طرح کے آرام
اطلاع ان کی دیا کرتے ہیں ہر دم گوشِ چشم
یہ وہی ہے جس کو کہتے ہیں، جمالی السذاذ
یہ واسطے سے حواسِ آدمی کے روز و شب

جس سے ہو جاتی ہے جذبِ سامع و دلکش صدا
اشتراکِ پس میں اس کے ہوتا ہے کیا ایسا
ان سبھوں کا ہر جمالیات سے رشتہ جزا
فق بلا میں رہا کرتا ہے اس کا مشغلہ
سطوت و غفلت پر جتنے فہم عالم ہے خدا
کوئی عدمِ نظم یا دلکش صدا کا سلسلہ
خوشگوار احساس کا طوفان ہوتا ہے پیا
سازِ لب سے اٹھتا ہے تحسین کا اک غلطہ
جب کہ ہو جاتا ہے ذہنِ نازسا بیدست و پا
جوشِ دلِ لفظوں میں اس کی بہترین سکھاتا
دیکھنے یا سننے سے جن کا ہوا نشو و نما
جس سے پیدا ہوتی ہے احساسِ لذت کی صدا
اس کا باعثِ حسن ہے جس میں نہیں چون چڑا
عقل و وجدان و تخیل کو ہے کرتا مستلا

اور بد صورت شے انسان کو کمزور و مضحل کر دیتی ہے، اور اس کے لئے سخت اذیت رسان ہے، عالم افسردگی میں چونکہ اسی کمزور صورت کی قربت و نزدیکی کا انسان احساس کرتا ہے، اسی بنا پر اہل علم خیز و انگلی اس پر قبضہ کرتی ہے، جمیل شے خوشگوار احساس کی خالق ہے، اور یہ صفت اس سے کسی وقت علیحدہ نہیں ہوتی، مگر خوشگوار شے کی یہ نوعیت نہیں، اس پر جمیل ہونے کا اطلاق نہیں ہوتا، یہاں یہ تصریح بھی ضروری ہو کہ سونگھنے اور پکھننے کی چیزوں سے جمال کا تعلق نہیں یہ دیکھنے اور سننے کی چیزوں کے لئے مخصوص ہے، فو کہ، غذا، شراب، عطریات، کتے ہی اعلیٰ درجہ کے کیون نہ ہوں یہ لفظ جمیل کا مصداق نہیں بن سکتے، انھیں خوشگوار عمدہ نفیس وغیرہ ان ہی الفاظ سے

نفس میں پیدا کیا کرتا ہے جذباتِ نفیس	روح کو پہنچاتا ہے تاحدِ بامِ اعتلا
حیاتِ احساس اور لذات کی دلچسپ	ہے یہی وہ روزنِ درجس کر یہ ہے بھانکتا
کچھ نواہائے شنیدہ کچھ بہارِ دیدہ سے	دو دنوں سے مل کر بنا ہے اسکا سحرِ خیزا
خوشگوار احساس کا اٹھا ہے جب جوشِ طرب	اس کو کہتے ہیں یہ ہے سیلابِ جنِ خودِ فنا
حسن کو سقراطِ ٹھہراتا ہے مانندِ مفید	اور فلاطون کی نظر میں ہے یہ اسکا مہربا
جو تصویرِ خیر برتر اور اُلوہیت کے ہیں،	حسن ہے ایسا تصور کا شیل و جسمِ نوا
حسن سے اشیاء عالمِ کل کے کل لبریز ہیں	یہ خیالاتِ فلاطون کا ہے محلِ تذکرہ
حال کے نقاد کہتے ہیں نہیں ایسا نہیں	یہ ہے احساسِ دوحاں آدمی کا شعبہ
جو کسی شے کے تصور سے ہوا ہوا رقام	اہلِ یورپ کرتے ہیں اپنی مہین سے ابتدا
پھر مفات، اوضاعِ اشیاء دیکھتے ہیں نور سے	تا کہ حاصل ہو جائی کیفیت کا مدعا،
حسن کی تحلیل سے حاصل شدہ لذتِ دہ	بآدمی اغراض کا جس میں نہ ہو کچھ شائبہ
سے پہلے کا نکتہ نے اس امر کی قیمن کی	حسن کی لذت نہ ہو دابترہ حرص و ہوا
اس کے احساس و شعورِ اولین کے باب میں	ماہرینِ فن نے لونیٹ سے کی ہے ابتدا
بتے گھرے رنگِ رجائات کو ہوں گے پسند	بجھاجائے گا تمدن کا ابھی ہے بچپنا،

تعبیر کیا جائے گا، میوہ جات، لذیذ غذاؤں سے قوتِ ذائقہ ضرور منتقل ہوتی ہے، عطریات قوتِ شامہ کو یقیناً مفلح کر دیتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھیل شری نہیں ہوتی، اسی بنا پر اغذیہ وغیرہ کے ذائقہ اور خوشبو کو جیل نہیں کہا جاتا، جن سے کیفِ مسرت کا ظہور رونما ہونے کی علتِ اقسام ہے جو ذہنِ انسانی کے صفحہ پر جو اس کے ذریعے

ہلکے رنگوں کی نقاست یعنی دل کو بھائیگی
حسن کے قہرِ بعیرتِ زاکِ جانبِ رات دن
آبشارِ رون کی روانی چرخِ آسا کو ہمار
اور اجرامِ سماوی کے منور مقصے
ابر کی اودی، سنہری، نیلی، پیلی ساریاں
وہ شفق کا پھولنا وہ اس کی زریں آبی تیا
تقریم و عمان کی موجوں کا خروشِ سہلگین
ان کی لاجھ و دیتِ مرعوب کرتی ہے بہن
اس تصور میں اسی حد پر ہے احساسِ اہم
بعد اس کے خود او بھرتے ہیں وہ جذباتِ نثر
ایک ہی آواز یا صورت ہر اک پر اک طرح
ساختِ عصبی ریشون میں ہر شخص کے یکساں
ذہن کی بالیدگی میں بھی بہت باہم جہز
اک تخیل جی نہیں اس حُسن کے زیر اثر
دلکشی، آواز، حرکت رنگِ خط میں جو بھی ہو
ان میں پیدا کرتے ہیں موز و نیت فکر و شعور
قوتِ ذہنی ہیں انسان اور حیوان کی
مختلف رنگوں کی اک تصویر کو یا نظم کو

اتنا ہی ہو گا تمدن کو عروج و اعتلا
ہر تمدن بڑھتا ہے لیکر کس قدر ارتقا
نیز تابان کا چھپ چھپ کر کلنا ڈوبنا
آج تک فہمِ بشر جن کی نہ گنتی گن سکا ہے
جن کو پھیلاتی ہے چرخِ بامِ بربادِ صبا
تو وہ غبارِ بوجس سے صاف سونے کا ڈالا
دیکھتے سے ان مناظر کے ہے دلِ مہیت کڈ
سانے آنکھوں کے رہتی ہے جلالت کی نفا
جس کی پہلے ہوتی ہے افسردہ کچھ طبعِ رسا
جن سے پھر بڑھتا ہے آگے ذوقِ دل کا صلو
کیون اثر کرتی نہیں اس کی ہے آخر وحیہ کیا
اختلافِ عادت و تعلیم ہے اس کے سوا
بیش و کم تفریق کرتی ہے طبائع کو جدا
عقل تک پھیلا ہوا ہے، اس اثر کا دائرہ
یہ بامدادِ حواس اک فعل ہے اور اک کا
جس سے بن جاتا ہے یہ نقشِ عجب لذتِ فرا
باہمی تفریق کو کرتی ہے ظاہر و باطن
دیکھتا سنتا ہے حیوان بھی مگر کیا فائدہ

سے نقش ثبت کر دیتا ہے۔

جیل اور کارآمدان دونوں میں باہم حد فاصل قائم ہے حقیقتہً جوہیل شے ہو، اس کے خیال سے حاصل شدہ لذت عموماً مادی لحاظ سے غیر مفید کھلانے کی مستحق ہے، کیونکہ خیال حسن سے حاصل کی ہوئی لذت غرض اور خواہشات مادی کی آمیزش کی حامل نہیں، یہ ایسی لطیف اور نازک لذت ہے، جو غرضوں اور مادی خواہشوں سے یکسر پاک و صاف ہو کر رہتی ہے، اس لذت کے بارہ میں پہلے پہل جہنمی کے فلسفی کائنات نے نہایت تصریح سے بیان کیا کہ حسن کی حاصل شدہ لذت میں خواہشات مادی وغیرہ کا شائبہ نہ ہونا چاہیے چشم و گوش ہی وہ وسیع راستے ہیں جن پر بعض آوازوں کی سماعت سے پیدا شدہ ارتسام اور رنگ و شکل حرکت کی اطلاع کے فائدے کے بغیر نازل، مانع میں داخل ہوتے رہتے ہیں، ان ارتسامات میں لذت یا الم کا احساس بھی شریک رہتا ہے، یہ لذت جمالی لذت سے موسوم ہے جس کی علت تامہ حسن ہے، ایسا حسن کہ جس کی اثر انگیزی انسانی وجدان عقل

اس سے حیوان کو حصول کیمت ہوتا ہے نہین
کس طرح ہوتا ہے ظاہر جمالی اللہ لذت
دل میں انسان کے یہی رہتی ہو خواہش گزین
بگرتی، ممتاری، و موسیقی کلفت شکن
نیز نقاشی کہ جو دنیا ہے نقش درنگ کی
سب یہ ظاہر ہوتا ہے، الفاظ یا اصوات کو
خارجی صورت میں ہم وجدان یا احساس کو
منفصل رہتا ہے یا خواہیدہ احساس چال
فصل ہے افراط و توفت کا نتیجہ اور یہی،
دیکھی ہے غیر مرئی چیز کو کس غور سے،
پھر اسے مرئی بنا کے سامنے لاتی ہے یہ

جس سے وہ ظاہر کرے جذبہ کوئی ابھرا ہوا
فعل اور تخلیق ہے اس کا ذریعہ واسطہ
جو کرے محسوس اس کو چون کا توں کر دو
شاخوئی جس میں کہ رہتا ہے، درختیں و
ارتسام ذہنی و طبعی کا ان میں سلسلہ
نام صنایعی ہوا ایسے ہی اظہار است کا
جب کریں ظاہر تو صنایعی یہی کھلانے کا
عام لوگوں میں مگر صنایع میں ہے جاگت
چا در تخلیق سے کرتا ہے ظاہر دست پا
صوت و رنگ و سنگ میں صنایع کی طبع رسا
جس سے دل کے باغ میں چلتی ہو لذت کی

تخیل کو متاثر کرتی ہو، اور روح کو پاک و صاف کر کے نفس میں شرفیاء جذبے پیدا کرتی ہے، لذتِ جن میں خوشیاں و اغراض کا نام و نشان نہیں ہوتا، اس لئے کہ خواہشات کا اقتضایہ ہوا کرتا ہے، کہ کسی طرح اشیائے عالم پر قابو پالیں، اور انھیں اپنے قبضہ و اقتدار میں لے آئیں، اس بنا پر خواہشات رنج و غم کا سبب ٹھہرتی ہیں جمالیات کا مطمح نظر اور مقصد کیا ہے، وجدانات اور لذات کی تحقیق، اور پوری پوری ان کی بندھی کرنا، خوشگوار احساس چلتا ہوا جادو ہے، جس سے بکھر چکا انسان کے بس کی بات نہیں، عام طبیعتیں خوشگوار احساس سے متاثر ہونے کے بعد بھی وہ اس توجہ سے بالکل لاعلم رہتی ہیں کہ کس بنا پر وہ متاثر ہو رہی ہیں، اور نیز اس متاثر ہونے کی علت اور سبب کی تحلیل و تحقیق نہیں کر سکتیں، ایک عامی محسوس کرنے کے بعد الفاظ یا افعال کے ذریعہ اپنے احساسِ پنہان کو براہِ فکندہ نقاب کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، صرف محسوس کرنا یہ حیل یا وجدانی خاصہ جو جو ایک حد تک حیوانات میں بھی پایا جاتا ہو، عام شخص محض محسوس کرتا ہو، اور فلسفی یا صنائعِ غور و فکر کر کے تین اور اپنے احساسات کو الفاظ یا افعال کے ذریعہ سے ظاہر بھی کر دیتے ہیں، انفس و محبت، میلان و رغبت، انبساط و مسرت کے احساس کا منبع جمیل ہے، اور مکرر انقباض، نفرت و کراہت کے احساس کا خزنِ مکرر و پیرچ ہے، اس کے خلاف

یہ ذریعہ سے احساسِ آدمی کے ذہن کو	یا یہ کہنے کا مین صنائعِ سحر انگیز کے
روح کو دیکر سہارا پھر یہ کرتا ہے بلند	صاف ہے تو شیخِ نصب العین کا نقشہ کھینچا
اس سے وجداناتِ اعلیٰ پاتین اور کمال	لیکھ کر آغوشِ اثر میں اور پڑھتا ہے سوا
تو تین انسان کی کل اس کے تین زیرِ اثر	اور جذباتِ شریفانہ کو دیتا ہے جگا،
عام نظردن سے نظر صنائع کی ہوتی ہو تیز	یہ دماغ و دل کو دیتا ہے تاثر کی عذا،
ساتھ ہی اس کے کسی پیرائے دلچسپ سے	روح کی گمراہیوں میں بھی ہے یہ پیرا ہوا
اس بیان میں اس جگہ میدا یہ ہوتا ہے سوال	وہ تعقل کرتا ہے جب ایک نصب العین کا
جو اعادہ کرتی ہے حسی ظواہر کا مٹ م	جون کا تون کر دیتا ہو اس کا اعادہ بے خطا
	کیا ہے صنائعِ قحطِ تعلید کی بانگِ درا
	کوئی کیا اس کا بھی ہے مقصود غایت مدعا

جبروت نمود جس فطرت، فضا سے بسط میں چکر لگانے والے بشمار ابراہیم ساوی، فلک بوس جبال، بحر و قار، نیز عالم کا طلوع و غروب، یہ سب کے سب مناظر جمیل ہیں لیکن ان کے تصور سے جولدت حاصل ہوتی ہے اس میں رنج و الم کا بھی لگاؤ ہے، اسلئے ان کے غیر متناہی ہونے کے رعب سے انسان سہم جاتا ہے، ایسے اوقات میں مجاز نظر کی جھل کے بجائے تحلیل سے مدھیم ہو جاتی ہے، جس سے ابتداء افسردگی کا احساس شروع ہوتا ہے، اور پھر ایک شریفانہ جذبہ بھڑاتا ہے،

اس سے ہٹکر مضحک کا بھی ایک تصور ہے، جو تحلیل کے مقابل ہے، توازن و تقابل اور مصنوعی لذت و تنجیدگی کا احساس اس تصور کا رہبر اور مبدی ہے،

سہمی کا قول ہے کہ اگرچہ لائق مضحک اور مضحک یہ دونوں ہم معنی سمجھے جاتے ہیں، لیکن لفظ مضحک اصطلاحاً محدود و معین ہی معنی رکھتا ہے، یہ ایک پُر وقار پُر متانت خندہ سنجیدہ پیدا کرتا ہے، یہ مفہوم خاص اسی لفظ کے لئے مخصوص ہے، اور اس سے محض ہنسانہ ولی شے مراد نہیں لیجاتی، احساس جمال ظاہر کرنے والی چیزوں کے آئین و اصول صنایع پر مضحک کا بھی دار و مدار ہے احساس مسرت خرنیہ (دریہ) بھی پیدا کرتا ہے، اس میں رحم کے جذبہ کا لگاؤ ہے، یہ بھی لذت ہے، گرامی حسین الم بھی شریک ہے، لذت اس بنا پر کہ انسان کے اخلاقی وجدان

کیا نہیں اخلاق سے اس کا تعلق یا کر ہے،	محض صنایع کی خاطر یکھیں صنایع کو کیا،
ان سوالات عجیبہ کی ہے ایسی شاہراہ	ماہران فن بین سے ہوتے ہیں یا ہم جدا
نقل فطرت کی بعینہ یا تشابہ بس ہی،	بعض کے نزدیک صنایع کا مقصد ہے بڑا
بعض کہتے ہیں مناسب ہی نہیں صنایع کو	نقل فطرت میں کرے فطرت کی پوری اقتدا
بلکہ کچھ ہو تفصل اور کچھ ہو اضافہ ساتھ ساتھ	وہ اضافہ اپنے انکار اور وجدانات کا
فطرت خاموش سے اشیاء کو کرے منتخب	ربط دیکر سب فطرت کو کرے ان سے ادا
ایسی صنایع جو ہو مخصوص خط و حال کی	یا تصور کوئی یا سیرت ہو جس سے رونما
یہ حقیقت سے زیادہ منکشت ہوتی ہے اور	ذہن کو پہناتی ہے فوراً تاثر کی قبا،

کو اس سے خاص موقع حاصل ہوتا ہے، اس قسم کے جتنے احساسات ہیں، وہ سب جمالیات کے حدود میں داخل ہیں، اس بنا پر جمالیات، جذبات، وجدانات، حیات، ان سبھوں کا برہمان نظر مطالعہ کرتی ہے اور حیل کر وہ جیل بھٹک، اور تصورات انبساط و مسرت کی توضیح و تعریف کرنا بھی اسی کا فرض ہے، ایسے علل انسانی جو کسی شے کے حیل یا شکل ہونے کے سبب علت ہوتے ہیں، ان کا پتہ لگانا بھی اسی کے ذمہ ہے، جمالِ فطرتِ صنّاعی کی خوبصورتی، مادی و غیر مادی چیزوں کے حُسن کی تحقیق و تفتیش بھی یہی کیا کرتی ہے، احساساتِ جمالی کا مبیہ کونسا ہو، یہ احساسات کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتے ہیں، کس شے پر حُسنِ جمیع کا اطلاق آسکتا ہی احساساتِ جمالی جو بجائے خود ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں، کیا یہ احساسات زائد، اشیا کے جا سکتے ہیں، ایک شے یا آواز کیساں دو طبیعتوں پر کیوں اثر نہیں کرتی، ایک شے اس سے خطا اندوز ہو کر نشاط کی انگڑائیاں لیتا ہو، اور دوسرا اُسی سے متغیر ہو کر منہ پھیر لیتا ہے، خط و حالِ اشیا اور ارتعاشاتِ اصوات وہ کس قسم کے ہیں، جن سے یہ حیل و دلکش بن کر انسان میں احساسِ مسرت و انبساط پیدا کر دیتے ہیں، اشیا کے جمیلہ کا پورا جھٹکا کیا کیساں قد و مشترک رکھتا ہے، اس طرح کے استفسار و سوالِ جمالیات ہی سے تعلق رکھتے ہیں،

پروفیسر بین کی تحقیق میں ذہنِ انسانی حُسن کے ابتدائی تصورات کی ابتداءِ لونیٹ سے کرتا ہو، اُسے مثال میں اس طرح ظاہر کیا ہو، کہ شکل و صورت، موزونیت سے لذت اندوز ہونے سے پیشتر ہیچ نہایت گہرے

زودین وجدانی اثر کے آکر اک متاع کو،	نکر جوتی ہے، بنا دے فعل کی اس کو سبھا
اس نے پوری دہ کرنا ہی نہیں فطرت کی فعل	اتنی ہی کرتا ہے جو محسوس وہ خود کر چکا،
پھر بین سے اور پیدا ہوتا ہے شکلِ سوال،	جب کو کہ سکے ہیں پہلے کے مقابل دوسرا
تاہیں اخلاقِ صنّاعی کو ہونا چاہئے،	یا نہیں اخلاق سے بلا ہے اس کا مرتبہ
بعض اس بارہ میں رسکن کے ہوئے ہیں حیل	کہتے ہیں اخلاق پر صنعت کی قائم ہونا،
اپنے وجداناتِ اعلیٰ میں کرے جھکوثر یک	سب بڑھ کر کا رہا ہے ہی متاع کا،
مقصدِ اعلیٰ ہو صنّاعی کا بس یہ ایک ہی	اس سے جو اخلاق کی تعلیم کا نشو و نما

اور شورش رنگوں کے گردیدہ ہوتے ہیں، بچوں کی طرح ایک دہقانی بھی اسی قسم کے شورش رنگوں کا حریص ہوتا ہے، غرض کہ ایسی وحشی قوانین جو ارتقاء سے ذہنی کی مندرجہ ذیل طے کرنے کی جانب ابھی مائل نہیں، انہیں جاننا اور بے جان اشیاء کے گہرے رنگ نہایت پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں، وہ افراد جو ابھی نشوونما کی عدم تکمیل کی گھاٹی سے باہر نہیں نکلے ہیں، شورشِ ذات کی معرفت سے خالی ہاتھ اور مطالعہ باطن کی سرحد دو ترقی کی ممتاز منزل ہے، سے دور پڑے ہوتے ہیں، یہی گہرے رنگ یا عجیبہ الوان کو دل سے پسند کریں گے، لیکن ایک ترقی یافتہ جذبہ انسان کی نظر میں یکسانیت لئے ہوئے ہلکے رنگ خوشنما معلوم ہوں گے، امتیاز حسن اور پسندیدگی کی قوت عموماً ذوق سے تعبیر کی جاتی ہے، اسے لذتِ جمالی کے محسوس کرنے کی استعداد و قابلیت کہتے ہیں جو مبداءِ فیاض سے انسان کو عطا ہوئی ہے، جماعت و افراد میں تربیت و تعلیم ترقی و دیگر اس قوت کو آگے بڑھا دیتی ہے، ایک آواز یا ایک صورت سے ہر ایک مساویانہ طور پر متاثر نہ ہونے کی بھی مختلف وجہیں ہیں، مثلاً عصبی ریشون کی ہر ایک مین عدم یکسانیت، تعلیم عادت رسم و رواج سے باہمی جدا گانہ طبیعتوں کا اختلاف، ہر ایک کا ذہنی نشوونما میں افتراق وغیرہ یہی وجہیں ہیں، جس سے ہر ایک طبیعت ایک سا اثر نہیں لیتی، جن تخیل اور عقل دونوں کو متاثر کرتا ہے، حرکات، خطوط، اصوات، اور رنگوں کی دلکشی کے ادراک ذریعہ وسیلہ حواس ہیں، اور ان میں موزونیت پیدا کرنے کا کام فکر و شعور سے متعلق ہے، یہیں سے انسان اور حیوان کے امتیازات کی راہیں ملجھدہ ہوتی ہیں، کسی عمدہ تصویر یا اچھی نظم ان دونوں کو حیوان بھی

بعض کہتے ہیں کہ صناعی نہ ہو یا بند قید	اس کو ہونا چاہئے مطلق جمیل و خوشنما
ہمیت و صورت ہی میں موجود ہوتا ہوا جمال	بے تعلق جس سے یہ رہتا جو وہ ہے مادہ
بعض گزرے ہیں جمالیات میں ایسے بھی فرد	جو جمالیات کی کرتے ہیں، اس حد پر نشا
کہتے ہیں رتبہ جمالیات کا مافوق ہے،	اور ہے اخلاق سے بھی ادس کا ادنیٰ پامرتہ
الغرض یہ ایسا دلکش روح پرورد بھول ہو	جسکی خوبی سامعہ اور بامصرہ کی ہے غذا،
چشم نظارہ طلب میں اس سے سحر بخود کا	سامعہ میں اس کی لذت کا ہر اک طرہ مان

دیکھتا اور مستانہوگریک را و ر فضول، وہ مشور و محبت اور کسی قسم کے ابھرے ہوئے جذبہ سے بالکل خالی نظر آتا ہے۔ فعل اور تخلیق یہی جمالی لذت کی جلوہ گاہ ہے، یہ لذت اسی فضا میں ردنا ہوتی ہے، جس قسم کے بھی احساس سے انسان متاثر ہوتا ہے، اس کا فطری اقتضایہی ہے، اگر ایسے مواقع پر ردنا اثر کی اصوات یا الفاظ سے ترجمانی کرے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر وہ سرتاپا عمل بن کر کہنے اور کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس اقتضائے فطرت سے مجبور ہو کر ایک بے سواد جو تقریر و تحریر سے بالکل س نہیں رکھتا، وہ بھی اس قسم کی سعی و کوشش کی ہمت کیا کرتا ہے، اگرچہ اس کا یہ عزم و ارادہ محض فطرت کے مجبور کر دینے کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر عوارض جہل کے سبب یہ کہن اس سے زہ نہیں ہو سکتی، لیکن جو اشخاص قوتِ اظہار سے بہرہ ور ہیں، وہ جہل کے اسے عمل کی نمائش نہیں بنا دیتے اس وقت تک انھیں چین نہیں آتا، طبعی یا اخلاقی ارتسامات کی تکمیل کے بعد خطوط، الفاظ یا اصوات کے ذریعہ سے نقاشی، سنگتہ اشی، معماری، شاعری اور موسیقی میں انھیں ارتسامات کو ظاہر کیا جائے، تو اس کو فن یا صناعتی کہیں گے، صورت خارجی میں اظہار و وجدان یا احساس کا صناعتی نام رکھا جاتا ہے، احساس جمال علوم انسان میں منقصل یا خستہ رہتا ہے، ادبی صناعت میں طاقتِ فاعلی اور حالتِ بیداری کی شان میں جلوہ نما ہوتا ہے، افراط و تفریط کا نتیجہ فعل کھلتا ہے، اور تخلیق کے ذریعہ سے یہی فعل معرضِ تلوین آیا کرتا ہے، ایک صناعت غیر مرئی شے کو بذریعہ سنگ یا رنگ زبان یا آواز کے مرئی بنا کے پیش کرتا ہے، صناعت کا کام اس کے مطلق نظر اور نصب العین کا توضیحی نقشہ ہے، جو اس کی دساطت سے وہ ذہن کو متاثر کرتا ہے، جس سے روح میں رفعت و بلند بی ادب میں جذباتِ شرفانہ کا چشمہ ابل پڑتا ہے، اسی سوج بے ہو کو وجداناتِ اعلیٰ ابھرتے ہیں، صناعتی دل و دماغ کو دل کو تار کی غذا و تقسیم کرتی ہے صناعت و وجدان تصور، چہرہ کی خصوصیات کو اس طرح ترکیب دیکر سامنے لے آتا ہے کہ اس پیشکش کے آئینہ میں اس سے قبل کی زرخوس کی ہونی پیریز نہایت صاف دکھائی دیتی ہیں، (باقی)

جنت گوش اور فردوس نظر ہر ایک میں جلوہ ہائے حسن کی رہتی ہے نور افشان ضیا
روز و شب سمیع و بصیر کے پردہ فافوس پر کوندی رہتی ہے اس کی برقِ استعجاب زرا (باقی)

تِلْكَ دَوَائِيكَ بِرُكْحٍ لِخَيْصٍ بَصِيرَةٍ

اقتصادی تباہی اور امریکہ کی خانگی زندگی

امریکہ کی دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن کی حکایتیں اس کثرت سے ہمارے کانوں تک پہنچی ہیں کہ اب وہاں کے افلاس و وحشت کے واقعات کا منسل سے یقین آتا ہے، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جس ملک میں کروڑوں کی تعداد بھی حد شمار سے باہر تھی وہاں قوتِ لاموت کا سوال کیسے پیدا ہو گیا، اور جن ہاتھوں میں تہذیب و علم کی شمعِ ہدایت تھی وہ وحشت و بربیت کی انتہائی تباہیوں میں قتل و غارتگری میں کیونکر مصروف ہیں، لیکن واقعات بہر حال واقعات ہیں، جن پر سنِ ظن یا خوش اعتقاد ہی کی کوئی نقاب پرہ نہیں ڈال سکتی،

امریکہ کی موجودہ اقتصادی تباہی کا جو اثر عام طور پر پڑا ہے، کہ لاکھوں آدمی بے روزگار ہو گئے، جرائم کی کثرت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، قتل اور ڈاکے دن رات ہزاروں کی تعداد میں ہو رہے ہیں اور تمام ملک میں ایک عام پریشانی اور سرسراگی پھیلی ہوئی ہے، اس وقت اس کی تفصیل سے بحث نہیں، یہاں صرف اس اثر کو دکھانا ہے جو اقتصادی تباہی امریکہ کی خانگی زندگی پر ڈالا ہے، اور پھر تمام ملک کا ذکر نہیں بلکہ صرف ایک شہر نیویارک کے حالات ہیں جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء) کے حوالہ سے ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں،

نیویارک امریکہ کا دارالسلطنت اور تمام متمدن دنیا کا اولین شہر ہے، اس کی حالتِ زار سے امریکہ

کے دوسرے شہر دن اور عام ملک کی حالت کا قیاس کیا جاسکتا ہے، نیویارک کی انجمن رفاه عام (welfare Council) نے اپنے نوٹوں کا رکن غریب گھر دن کے حالات دیکھنے پر مامور کئے تھے، ان لوگوں نے صرف نیویارک میں تھوڑے ساڑھے سات لاکھ غریب خاندانوں کی جانچ کی اور اپنی رپورٹ انجمن کے سامنے پیش کی، اس رپورٹ کے مباحث کے عنوانات حسب ذیل ہیں :-

۱۔ مہمت و حوصلہ سے محرومی، اور پاس و نا اُمیدی کی زیادتی اکثر ترقت قتل اور خود کشی کی حد تک سرسراہکی اور دماغی الجھن،

خود اعتمادی کا فقدان، اور اپنی ناکامی اور فروتنی کا احساس،

جدت طبع اور احساسِ ذمہ داری کا باقی نہ ہونا،

بے مقابلہ اطاعت اور بڑباری، کام کی تلاش یا کسی نئی چیز کی کوشش کے لیے ہمت نہ ہونا، روزگار حاصل کرنے کی ضرورت کے خیال کا ہمہ وقت دماغ پر مستولی رہنا،

قانون اور مذہب بیزاری، اخلاقی اور روحانی انحطاط،

موسائٹی، حکومت اور عام طور پر تمام چیزوں کے خلاف کلیتہً (Synecism) بغضِ عدالت

اور بغاوت، تفاخر اور خود داری کا فقدان، اپنی ظاہری حیثیت کی طرف سے بے پردائی اور عام بے حسی،

بیچینی، پریشانیوں سے بھاگنے کے لیے ہول و لعب کی طلب، جو بالآخر منجھواری اور تمار بازی کی شکل اختیار

کر لیتی ہے، دماغی اور اعصابی ہيجان جو شدید ترددات سے لیکر خطرناک بیماریوں تک ترقی کر جاتا ہے،

دوبارہ روزگار حاصل کرنے کے بعد بھی اس کے جاتے دہنے کا ہمیشہ ڈر لگا رہنا۔

آخر میں خلاصہ کے طور پر خائفی زندگی پر بے روزگاری کا انریون بیان کیا گیا ہے، "گزشتہ دو سال کے

اقتصادی حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ خائفی تعلقات پر ضرورت سے زیادہ بار پڑ گیا ہے، زن و شوہر اور اولاد و

والدین کے رشتے کمزور ہو گئے ہیں، خاندانوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے، وسائل آمدنی شہر اور باپ بیوی اور

بچوں یا بیلک کی طرف منتقل ہو گئے ہیں، والدین کا اقتدار اپنی اولاد پر باقی نہیں رہا، خانگی تربیت کو صدیہ پہنچا ہے، شخصی مشکلات اور خانگی پیچیدگیاں نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ گئی ہیں، اور بے اطمینانی اور بے امنی میں ترقی ہو گئی ہے۔“

ڈاکٹر کورسے (Lowrey) ناظر ادارہ ”رہنمائے اطفال“ (Child Guidance) کا بیان ہے کہ اکثر ان مشکلات کو دماغ سے دور کرنے کے لیے لوگوں نے میخواری اور قمار بازی اختیار کر لی ہے اور جب اس تدریس سے بھی سکون حاصل نہ ہوا تو پھر گھر بار چھوڑ کر کہیں نکل گئے، لیکن مشکل اب بھی حل نہ ہوئی اور بالآخر مجبور ہو کر انھوں نے خود کشی کی راہ اختیار کی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے قول کے مطابق خود کشی کی رفتار میں نمایاں ترقی ہے، اقتصادی دشواریوں کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ لوگ سوسائٹی کے موجودہ نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں اور ہر اس اجتماعی یا سیاسی مسلک کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں جو اس وقت ان کی زندگی کرے، اور یہی جذبہ ہے جس نے ان لوگوں کو موجودہ معاشیاتی نظام سے برگشتہ اور مذہب سے نیز اگر رکھا ہے، لیکن امریکہ کے بعض اہل نظر اس تاریکی میں بھی روشنی محسوس کر رہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ملک کی اقتصادی تباہی نے خانگی زندگی پر مفید اثر ڈالا ہے، اور فقر و فاقہ کی سختی نے باہمی تعلقات کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر الیٹ (Halliday) کا بیان ہے کہ خاندان کے افراد اب پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے متوجہ ہو رہے ہیں، اگر موجودہ اقتصادی تباہی کا کوئی پہلو فحش محبت خیال کیا جاسکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ اب لوگ باہمی استوائت کی ضرورت زیادہ محسوس کرنے لگے ہیں اور سوسائٹی کی فلاح کے لیے ازدواجی و خانگی زندگی کا وجود ضروری خیال کیا جانے لگا ہے،

اوپر کے اقتباسات کو پڑھ کر یہ بات کتنی روشن ہو جاتی ہے کہ ہم جس ملک کو جنت کا مکرملہ سمجھتے ہیں وہی دوزخ کا نمونہ بھی ہے، اور ہم اس کی ظاہری دلفریبیوں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ وہ سرسبز جہان ہے جہاں غم کا نام و نشان نہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہاں کے پردرد و دلون کی آہ و بکا، وہاں کے عیش و نشاط کے سرور

کی آوازوں سے دیکر ہمارے کانوں تک نہیں پہنچتی، حالانکہ قدرت الہی وہاں بھی اسی طرح کار فرما ہے جس طرح یہاں، اور زخمی دلوں کی تسکین کا مہم نہ دولت کی کثرت ہے نہ عیش و مسرت کی فراوانی، بلکہ وہ صرف جدوجہد کی دولت اور قناعت کی مسرت ہے، اور یہی وہ خزانہ ہے جس کی کلید مذہب کے ہاتھوں میں ہے،

”عز“

ڈنمارک میں پہلی مخطوطات

آج ڈنمارک سے ہندوستان یا ایران ایک ہفتہ کا راستہ ہے لیکن گذشتہ صدی میں کوپن ہیگن (درا سلطنت ڈنمارک) سے ممبئی یا بڑہنچے میں مہینوں صرف ہو جاتے تھے، باوجود اس کے علماء ڈنمارک اس زمانہ میں بھی اس خیال سے نبرد اور ممبئی کا سفر اختیار کرتے تھے کہ یہ مقامات اُن کے نزدیک پاریسی علوم کا گوارہ تھے، پارسیوں کے قدیم مذہب و اقیقت حاصل کرنے کا اتنا شوق انھیں غالباً فرانسیسی فضلا کے تذکروں کو پڑھ کر پیدا ہوا، ریمس راسک (Rasmus Rask) ۱۷۸۶ء اور ۱۸۲۳ء کے درمیان ہندوستان آیا تھا، خوش قسمتی سے اُسے اوستی اور خصوصاً پہلی مخطوطات کی ایک بڑی تعداد دستیاب ہو گئی جسے اس نے خرید لیا، اسکے بعد اسکا موطن و سترگارڈ (wester gaard) ۱۸۲۷ء اور ۱۸۳۷ء کے درمیان آیا، و سترگارڈ اپنے پیشرو سے کمین زیادہ دلیر تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حصول مقصد یعنی مذہبی تحقیق و تفتیش کی غرض سے کتب میں فراہم کرنے کے لیے ناجائز دباؤ سے بھی کام لیا، ان دونوں نے اپنے حاصل کردہ پہلی مخطوطات کوپن ہیگن کے کتب خانہ کو دیدے، یہاں اہل علم پر ان مخطوطات کے اقتباسات اس غرض سے لیے گئے تھے کہ دوسرے نسخوں کی تصحیح کر لیں، بالآخر مستشرقین کی جو کانگریس ۱۸۴۷ء میں ایٹھن میں منعقد ہوئی اس میں ۱۷۰۰ کے پاپا کے چونکہ ان مخطوطات کی مانگ برابر رہتی ہے اس لیے ان کے عکسی نسخے شائع کر دیے جائیں،

اس تجویز پر عمل ہونے میں جنگ عظیم کے باعث تاخیر ہوئی، آج ڈنمارک میں دنیا کے اور ملکوں کی نسبت اقتصادی منکھلات کا اثر کم نظر آتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے وہاں سے تقریباً بیس اہم پہلی رسالوں کے

عکسی نسخے ایک شاندار جلد میں "پہلوی مخطوطات" (۲۱) وک (۲۰) ب کے عنوان سے شائع ہو گئے ہیں۔
ڈاکٹر کرسٹن (Dr. Christensen) کے قلم سے ہے جو کوپن ہیگن یونیورسٹی میں ایرانی سائنات کے پروفیسر
ہیں اور تیس سال سے زیادہ سے مختلف زبانوں میں ایرانی آثارِ عتیقہ پر روشنی ڈال رہے ہیں،
ڈاکٹر کرسٹن کی کتاب "سراسانی تہذیب و تمدن" اپنی بیش قیمت معلومات کے لحاظ سے ایک بلند پایہ
تصنیف ہے، صفائی اور سلاست اس کتاب کی امتیازی خصوصیات ہیں، ڈاکٹر موصوف انگریزی یا فرانسیسی
جس زبان میں بھی لکھتے ہیں عبارت صاف اور سلیجھی ہوئی ہوتی ہے، اس مضمون سے متعلق صرف ایک کتاب
اس سے پہلے لکھی گئی ہے یعنی ڈاکٹر بار تھالوے (Dr. Bartholomae) کی مرتب کی ہوئی ان ایرانی
تصنیفات کی فہرست جو کوپن ہیگن کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ڈاکٹر بار تھالوے کی کتاب میں مخطوطات
کے جو اقتباسات اور بیانات ہیں، "ان تقریباً وہ تمام معلومات حاصل ہو جاتے ہیں جو مطبوعہ نسخوں سے بہم پہنچنے
امید ہے کہ پہلوی مخطوطات کی جو جلدیں آئندہ شائع ہونے والی ہیں ان میں ڈاکٹر کرسٹن ان مضامین
کو تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے جنکا ذکر اپنے مقدمہ میں محض اجمالی طور پر کر کے انھوں نے ناظرین کو مستحق
پہلوی زبان جو ساسانی عہد میں رائج تھی اب بھی تمام ایرانیوں پر ویسا ہی دلکش اثر رکھتی ہے اور
یہ اثر ان امکانات کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا ہے، جو ساسانی تہذیب و تمدن سے متعلق غیر متوقع طور پر
ہوئے ہیں، کوپن ہیگن یونیورسٹی کا یہ کارنامہ یورپ، ہندوستان، اور ایران کے اہل علم کے لیے نہایت مفید
ثابت ہوگا اور پہلوی مخطوطات کا یہ عکسی نسخہ ان لوگوں کی راہ میں بہت کچھ سہولتیں پیدا کر دینگا جو ایران کی قدیم
ادبی یادگار سے واقفیت حاصل کرنی چاہتے ہیں،

(بہمنی کرانخل ہفتہ وار) "عز"

موت کی نسبت اہل جاپا کے عقائد

برہم مذہب کے آنے سے پہلے جاپان میں تہمیز و تفریق کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، قدیم

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ پرانے زمانہ میں مردوں کو بغیر کسی اداسے رسم کے سمندر میں ڈال دیتے تھے، یا پہاڑوں میں دفن کر دیتے تھے، لیکن بدھ مذہب جب جاپان میں داخل ہوا تو اپنے ساتھ تجنیز و تدفین کا ایک باقاعدہ نظام رسوم بھی لایا، اور اس وقت سے یہی مراسم تمام ملک میں بالعموم رائج ہو گئے، اگرچہ دفن کے قدیم جاپانی اور چینی طریقے اب بھی کسی حد تک باقی رہ گئے، چنانچہ جاپان کے شاہی خاندان اور امرا میں وہی قدیم طریقے اب تک جاری ہیں،

بدھ مذہب کی تجنیز و تدفین کے بنیادی اصول ایک قدیم مذہبی قول میں اس طرح بیان کئے

گئے ہیں :-

”گرم پانی سے غسل دو، سوئی کپڑے کا کفن پہنا دو، لاش کو ایک سہرے تابوت میں رکھو، اس پر خوشبودار پیل چھڑک کر خوشبودار مصالحوں سے چھپا دو، اس کے بعد آگ میں جلاؤ اور ہڈیوں کو جمع کر کے ایک بڑج میں رکھ دو“

اس ہدایت کے بموجب پہلے مردوں کو گرم پانی سے غسل دیا کرتے تھے اور یہ گزشتہ زمانہ میں تجنیز و تدفین کی ایک اہم رسم تھی، لیکن یہ رسم شہروں میں اب فنا ہو گئی، اگر البتہ بعض اضلاع میں ابھی تک باقی ہے، سفید سوئی کپڑے کا کفن اب بھی پہنانے میں نہ صرف اس لیے کہ مذہبی حکم ہے بلکہ طہارت اور صفائی کے خیال سے بھی، پہلے قیمتی انیہ اور لباس بھی لاش کے ساتھ دفن کر دیتے تھے، لیکن اب ایسا نہیں کرتے، دیہات کے لوگ تانبے کے کٹے یا ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ان سکون کا خاکہ کھینچ کر تابوت میں رکھ دیتے ہیں، ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دریائے سنہو (San chu) اس دنیا اور بہشت کے درمیان حایل ہے اور یہ سکتے اسی کو عبور کرنے کے حصول کے لیے چاہئیں، چونکہ ان کے نزدیک بہشت کی مسافت بہت طویل ہے، اس لئے مسافر عدم کے لیے تابوت میں پیالہ کی جوتیاں اور ایک مضبوط ڈنڈا بھی رکھ دیتے ہیں،

بدھ مذہب کے مروجہ عقائد کے مطابق اہل جاپان کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد انسان فوراً ہی دوسری دنیا میں نہیں پہنچ جاتا بلکہ اس درمیانی حالت میں رہتا ہے جو دنیا اور آخرت کی زندگی کے بین میں ہے، اس حالت میں نہ اسے مردہ کہہ سکتے نہ زندہ، وہ موت اور زندگی کے درمیان ہوتا ہے، اس عقیدہ کے بموجب اُسے دنیاوی زندگی سے بالکل خارج نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ اس کی لاش و فن کر دیجاتی ہے، یا جلادی جاتی ہے، تاہم ہر روز اس کی رُوح کے سامنے غذا پیش کی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ روح جب تک اس درمیانی حالت میں رہتی ہے کھاتی پیتی ہے۔

مردہ کے اسی درمیانی قیام کے دوران میں "قامی اعظم" فیصلہ کرتا ہے کہ وہ جنت میں بھیجا جائیگا یا دوزخ میں، لیکن اس فیصلہ سے پہلے دس محاسب یکے بعد دیگرے اس کے تمام اعمال حسنہ و قبیحہ کی جانچ کرتے ہیں، اور بالآخر وہ جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں اُسی کے مطابق مرنے والے کی قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس درمیانی زمانہ میں وہ دراصل موت اور حیات کے بین میں ہوتا ہے، کیونکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس دوران میں اُسے سات بار دنیا میں واپس آکر بھرنا پڑتا ہے، اور ساتویں بار مرنے کے بعد تب کہیں اس کا تعلق دنیا سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوتا ہے۔

چونکہ یہ لوگ مسلمانا نسخ کے قائل ہیں اس لیے رُوح کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کبھی فنا نہیں ہوتی، بلکہ مختلف شکلیں اختیار کرتی رہتی ہے، اس امر کا فیصلہ کہ دنیاوی موت کے بعد روح کو کس شکل اختیار کرے گی "قامی اعظم" کرتا ہے، جب وہ اُن دس محاسبوں کی شہادتوں پر غور کر لیتا ہے، اوپر کہا جا چکا ہے کہ مردہ کو سات بار مرننا پڑتا ہے، یہ موتیں ایک ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد آتی ہیں، پہلی بار جب کوئی مرتا ہے تو تجزیہ و تکفین کے بعد اس کی لاش دفن کر دی جاتی ہے یا جلا دی جاتی ہے، لیکن اس کی رُوح گھڑی میں رہ جاتی ہے، ساتویں روز وہ دوبارہ مرتا ہے جو دہم روز پھر مرتا ہے، اسی طرح سات ہفتہ تک ہفتہ وار مرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ساتویں موت کے بعد

وہ اس دنیا سے بالکل رخصت ہو جاتا ہے،

آئندہ زندگی میں روح کی مسرت کے لیے متوفی کے پسماندوں کی دعائیں اور نذرین بہت بڑے خیال کیجاتی ہیں، ساتویں موت کے بعد ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد یا عورت، یا کسی جانور، یا چرے یا کیرے کی شکل میں پھر پیدا ہوں ان میں سے جس شکل میں بھی وہ دوبارہ آئے اس کے اہل خاندان اور احباب کی دعائیں اور عبادتیں اس کی روح کو مسرور کرتی ہیں، اگر اس کی دوسری زندگی تکلیف و مصیبت کی زندگی ہے، تو یہ دعائیں اور عبادتیں اس تکلیف و مصیبت کو دور کر کے ایک بہتر حالت پیدا کر دیتی ہیں،

(مبلی کرانکل، ہفتہ وار)

”عز“

الْفَارُوقُ

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لافٹ اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، سواق و شام و مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں ادیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ادیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعیِ بلیغ سے اس کا نیا ادیشن تیار کر لیا ہے، جو حرفِ بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیا سے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلقاً ٹائٹل، ضخامت ۱۲ صفحے

قیمت للعمہ

”مینجر“

اِحْبَاءِ عَلَیْہِ

چین کی خفیہ انجمنیں

ایٹلیٹین کی ایک قریبی اشاعت میں مسٹر سیملے روڈس (Semley Rhodes) کا جو حال میں چین سے واپس آئے ہیں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خفیہ انجمنیں کس کثرت سے ہیں اور کتنی اثر رکھتی ہیں۔ مسٹر روڈس کا بیان ہے کہ چین میں سیکڑوں ہزاروں خفیہ انجمنیں ہیں جو بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور چین و جاپان کی موجودہ جنگ میں حصہ لے رہی ہیں ان انجمنوں کے اراکین کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے، ان میں سے بعض انجمنیں خاص حربی ہیں، بعض خاص سیاسی اور بعض محض تجارتی، لیکن یہ سب نہایت طاقتور ہیں اور انکی خفیہ شاخیں ایسے مقامات میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں ان کے وجود کا شبہ بھی نہیں ہوتا، ان انجمنوں کی وسعت رکینٹ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ہونان (Hunan) کے ایک صوبہ میں ایک انجمن کے جہان نام "سرخ نیزے" (Red Lance) ہے ممبروں کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے، انجمن کے داخلہ کی تقریب عجیب و غریب رسموں کے ساتھ برتی جاتی ہے، اور ممبروں کو پورا یقین ہوتا ہے کہ ان رسوم کی ادائیگی کے بعد وہ ہر طرح کے خطروں سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے، یہ لوگ گندے اور توخیز پنپتے ہیں اور دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے استعمال سے کوئی اور برہمی کا اثر نہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اپنی حفاظت کا ایسا پختہ یقین ان پانچ لاکھ آدمیوں کی شجاعت و دلیری پر کتنا زبردست اثر دیتا ہوگا، ایسی انجمنیں ملک کے ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور اپنے اپنے مقاصد کے ماتحت کام کر رہی ہیں، لیکن ایسے

اوقات بھی ہوتے ہیں جب یہ سب کی ایک مشترک مقصد کے لیے اکٹھے کھڑی ہوتی ہیں اور اگر چین کی موجودہ حالت میں تمام انجمنیں متفقہ طور پر ملک کی مدد کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر دنیا دیکھ لے گی کہ جو اتحاد وہاں کی پشتوں سے منقود تھا اس کے رونما ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے،

ہلاکت آفرینی کا ایک جدید شاہکار

مسٹر سٹارلو (Mr. Starlo) امریکہ کے مشہور انجینیر نے گولڈباری کی ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کی ہلاکت آفرینی کے سامنے بڑے سے بڑے آلات حرب کی بھی کچھ وقت نہ رہ جائے گی، اگر موجد کا دعویٰ صحیح ہو تو اس مشین سے ایک ہزار میل تک کے تمام شہر اور ان کی آبادیاں چوبیس گھنٹے کے اندر نیست و نابود کر دیا جاسکتی ہیں یہ پے درپے پندرہ ہزار گولے برسا سکتی ہے اور ہر گولہ میں دو سو پونڈ (تقریباً ڈھائی من) آتش انداز لگس ہوتی ہے، یہ ریڈیو کے ذریعہ سے چلائی جاتی ہے، اور اسکی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس کے چلانے والے جکی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے خود خطرہ سے بالکل محفوظ رہتے ہیں، یہ ایجاد امریکہ کے چارمبران سینٹ کے سامنے جیسے رازداری کا حلف لے لیا گیا ہے پیش کی جائیگی، اس کے قابل عمل ہونے میں موجد کو ذرا بھی شبہ نہیں ہے، کیونکہ اس نے پورے طور پر تجربہ کر لیا ہے اور اب صرف اسی قدر رہ گیا ہے کہ کانگریس خود اس کا ملاحظہ کرے،

موت و ہلاکت کا یہ بے نظیر آلہ جو قیامت برپا کر سکتا ہے اس کا اندازہ مسطور بالا سے ہوگا، لیکن اس قیامت پر قیامت یہ ہے کہ خود صاحب ایجاد کے نزدیک اس کا مقصد جدال و قتال نہیں بلکہ صلح و امن ہے، پنجاب فرماتے ہیں کہ "میں جنگ کو ختم کر دینا چاہتا ہوں اور میری ایجاد اسے ختم کر دے گی، میں اپنی ایجاد کا انعام دولت یا عزت کی شکل میں نہیں چاہتا، میرا انعام صرف یہ ہوگا، کہ تمام دنیا میں امن قائم ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ جو "عظا" اس طرح "دہان توپ" سے کھا جائے گا اس کے اثر سے کون انکار کر سکتا ہے؟

ماہیتاب تک سفر چھ روز میں

پروفیسر جوآن اسٹورٹ (Joan Stewart) پرنسٹن یونیورسٹی نے کتاب موجود مسائل

("Science of day") کے ایک متعادلین بلین کیا ہے کہ سو برس کے عرصہ میں ہمارے بچانے والی نسلین ہاتھ تھک سفر کرنے لگیں گی، پروفیسر موصوف پشین گوئی کرتے ہیں کہ سترہ سو سے قبل یہ سفر ایسے لیارون میں جو بان کے زور سے اڑینگے تقریباً چھ روز میں طے ہو جائیگا اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا طیارہ بنایا جائے جو کئی میل فی سکند کی رفتار سے پرواز کرے، موجودہ ہوائی جہاز کی تو فی رفتار اگر جاری رہی تو پروفیسر سٹورٹ کا خیال ہے کہ ہاتھ تھک کے سفر میں جو شکیلین بھی پیش آئیگی سائنس انجینر ص کر لیگی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں، جہان تک معلوم ہے زمین سے ہاتھ تھک سفر کے لیے آسمانی بان (Sky Vehicle) ہی کی تدبیر واحد موزون تدبیر ہے، اس میں شبہ نہیں کہ آئندہ دس بیس برس کے اندر ایسی پرواز نامکن ہے، ایک بڑی دقت یہ ہے کہ اس کے لیے انجن میں اتنی زیادہ طاقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کسی معلوم گیس سے حاصل نہیں ہوتی، ایسی طاقت پیدا کرنے والے گیس کی تیار سازی سموری انجیری کی استعداد سے باہر ہے، اس کے لیے علم طبیعیات میں بنیادی تحقیقات کی ضرورت ہے، جو جہاز اس سفر کے لیے تیار کیا جائے گا اس کے مصارف کا تخمینہ پروفیسر موصوف نے دو ارب ڈالر لگایا ہے، لیکن ہمارے پروفیسر کی پرواز ہاتھ تھک ہی تک ختم نہیں ہو جاتی، ان کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک قدم اور ایک ابتدائی منزل ہے اس "فلک پانی" کی جو انسانی حوصلہ سے طور پذیر ہونے والی ہے،

شہوت کے درخت کا غذائی ایجاد

جاپان میگزین کی اطلاع ہے کہ ڈاکٹر کاواس (Kawase) پروفیسر زراعت، امپریل یونیورسٹی ٹوکیو (جاپان) نے شہوت کے درخت سے کاغذ تیار کر لیا ہے، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہی جاپان میں شہوت کے درخت کی چھال کاغذ بنانے میں استعمال کی جاتی تھی، لیکن چھال کو درخت سے علیحدہ کرنے میں بہت دقت پیش آتی تھی اور دقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا، یہی باتیں اسکی کامیابی میں ایک بڑی حد تک مانع تھیں، ڈاکٹر کاواس نے ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر صرف چھال کو استعمال کیا بلکہ درخت کے تنے اور شاخوں سے بھی کاغذ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، یہ کاغذ بہت چمڑا اور مضبوط ہوتا ہے اور اگر چہ ابھی بالکل مفید

نہیں ہوتا تاہم امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نہایت سفید بھی تیار ہونے لگے گا، اس وقت اس پر اعلیٰ درجہ کی طبابت بھی ہو سکیگی اور جاپانی طباعت میں ایک نادر تجدید و اصلاح ہو جائیگی،

قدیم رومن مختصر نویسی،

حال کے ایک انٹری انکشاف سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ مختصر نویسی دراصل قدیم رومیوں کی ایجاد ہے، جینیو میسینو (Etruscan) نے ایک فاضلانہ مقالہ میں ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح سے دو سو سال قبل مختصر نویسی رومیوں میں کثرت سے رائج تھی، سلطنت رومہ کی تباہی کے بعد اس فن کا استعمال جاتا رہا لیکن زمانہ حال کی تجارتی ضرورتوں نے اسے پھر زندہ کیا، جینیو میسینو نے تحقیق کر کے رومن مختصر نویسی کے تمام حروف تہجی معلوم کئے ہیں، یہ حروف موجودہ مختصر نویسی کے حروف سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں، حضرت مسیح سے کئی صدی قبل جب رومہ کی سلطنت دنیا کے ہر حصے میں پھیل رہی تھی سرعت تحریر کی ضرورتوں نے یہ فن ایجاد کیا تھا، اور رومن تجارتی کمپنیوں نے اسے استعمال کرنا شروع کر دیا، قدیم تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کمپنیوں کے اکثر حسابات و خطوط انہی مختصر حروف میں ہوتے تھے،

پوپ کی خدمت میں چند نادر ہدایا،

جماعت فرنیسکن سٹریٹس آف میری (Franciscan Sisters of Mary) کی اور عظمتی،

(MOTHER GENERAL) نے پوپ کی خدمت میں انکی ایک تصویر پیش کی جو چاول کے ایک انہ پر کندہ ہوئی اور اس قدر چھوٹی ہے کہ صرف خوردبین کی مدد سے نظر اسکتی ہے، یہ تصویر چین کے ایک نوکیلی مصوّر کے کمال فن کا نمونہ اور اس کے جوش عقیدت کا نتیجہ ہے، اسکے علاوہ جاپان کے ایک متعذر نے ایک نیکی لڑکھچا جو بے خود ریشم کے کیڑوں نے بنا دی، یہ کیڑے ایک لمبے جوڑے میسر پر رکھ دیئے گئے تھے اور جب انھوں نے ریشم کا تان شروع کیا تو انھیں ایک لکڑی کے ذریعہ اس طرح حرکت کرنے پر مجبور کیا کہ ساتھ ہی ساتھ لڑکھچا بن گیا، دوسرے بلایا میں بدٹھوس ہنس کے آنچھ ہاتھی، اتاس کے ریشم بنا ہوا نفیس رومڑی کا کام جو جزیرہ فلپائن کی صنعت ہے اور تبت کا ایک ناقوس جس پر بودہ مذہب والوں کو مذہبی رسوم کی طرٹ بلایا جاتا تھا، ”ع ز“

ایک بیٹا

نالمہ شبانہ مرغل

(از جناب نواب سر محمد مرغل اللہ خان بالقاء سابق وزیر دارالعلوم صوبہ سندھ)

جناب نواب سر محمد مرغل اللہ خان، بالقاء کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ودیعت رکھی ہیں ان کا علم وقتاً فوقتاً اہل ملک کو ہوتا رہا ہے، مگر ان کی خبر شاید بہت کم لوگوں کو ہو کہ موصوف کو فارسی شاعری سے اس حد تک لگاؤ اور مناسبت ہو کہ وہ خاصی ضخامت کے ایک فارسی دیوان کے مالک ہیں جس میں قصائد ہزلیات اور رباعیات سب یکو ہیں، ابھی حال کی ایک ملاقات میں انھوں نے اپنا فارسی دیوان دکھایا اور جبرہ جبرہ اپنا کلام سنایا اس لطیف سخن سے ناظرین معارف کو بھی متحیر کرنے کی غرض سے اس میں سے ایک قصیدہ منتخب اشاعت کیا جاتا ہے،

لے دوستان سرے پریشان خیالیم	گوشتے خداے را بہ بیان ملائیم
یکچند پیش نیست کہ تاشعر گفتہ ام	ہرگز نہ کہنہ مشقتم و نہ ویر سالیتم
عاشاکہ لاف شعر و بلاغت مرا نبرد	فردوسیم نہ سعیدیم و نہ ہمت سالیتم
گستاخم از مثال ندیشینیاں زخم	بالہ کہ من نہ بشنلی و نہ انعم نہ خالیتم
من کیستم چہ کارہ ام و تا چہ بودہ ام	جیرانم از خرابانی و آسختہ مایتم
نہ پیشوائے سلطنت و نہ مقتدا و قوم	نہ فخر را از بیم نہ امام غمزدایتم
نہ زندیگارم تا ہائے و ہو کنم	نہ عقب کہ مست کند گوشتمایتم
نہ ز اہدم کہ سب و سجادہ آورم	نہ مونیسم کہ سر بود از حال قایلیم

نے شیر گرسنہ کہ ز آزار خلق سیر
 نے چون جناب شیخ مشیخت مآب متند
 نے پُرچو بطن ز اہدم از خوان اغنیا
 نے مدعی جاہم دے مدعائے خلق
 نے شکوہ از جہالت و نا فہم بود
 بیچارہ سز عجیب زدامت فلندام
 از دست برد نفس عجب پاشکتہ ام
 چو گان نفس گوئے دلم را بضریتند
 دیو بعین نفس مرا کردہ سحر بند
 لے رحمت تمام جہان رحمستہ بن
 تاجند سر پائے خان خم کنتم بعجز
 نمرتا با گلیم تو مطبوع احمد است
 آمادہ فریب نہ چون شیر قائم
 نے بے وقار و مبتذل و لا ابا لیم
 نے گوش خلق کہ کہنم و کوسن غایم
 نے تنگ دہم و نہ چوسر کار عالم
 نے فخر بر بخنوری و خوش مقام لیم
 بارگتہ بر سر د جان انفعالیم
 بیزار از حیاتم و از جان ملا لیم
 گاہے جنویم کسند و گہ شمایم
 لے و لے ادمتدم دمن بچو تالیم
 بلند داروئے پے آشفہ حایم
 یا مصطفیٰ خلاص کن از پائے مایم
 حاشا کہ حاجتے بود از شال و قایم

نالہ رحمت

از سید الشہداء فضل الرحمن حسرت موہانی

کچھ بھی حاصل نہ ہوا ز ہر سوخت کے سوا
 حشر میں تاب جہنم سے مفاد و کسان
 علم و حکمت کا جین شوق ہوا میں نہ ادر
 سب سے مڑے راضی ہیں تری یاد کو ہم
 عقل حیران ہوا سے جان جہان، راز ترا،
 شغل بے کار ہیں سب انکی محبت کے سوا
 اہل عصیان کو ترسے سایہ رحمت کے سوا
 کچھ نہیں فلسفہ عشق میں حیرت کے سوا
 اس میں اک شان فراغت بھی ہر رات کے سوا
 کون سمجھے دل دیوانہ حسرت کے سوا

اِنَّا صَدَقْنَا

آرکٹ کا گورنریاں

”شمالی مدراس میں آرکٹ کی اسلامی ریاست نے گو کوئی بڑی عمر نہیں پائی، تاہم اس دور دراز خطہ ہند میں اسلامی علوم و فنون و تمدن کی ترقی میں اس نے اچھا خاصہ حصہ لیا، مولن عبدعلی بحر العلوم جس درس گاہ کے مدرس اعظم ہوں، انکی عظمت و جلال کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے، فارسی اور اردو کے بہت سے شعراء، اور علماء و فضلاء کی بہت بڑی تعداد اس کے سایہ میں آرام کرتی تھی، مگر بالآخر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ میں وہ بالکل برباد ہو گئی،

۲۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو جب میں مدراس کے سفر میں تھا آرکٹ کی زیارت کو گیا، دیکھا کہ فوس ہوا کہ اس عظیم الشان دارالامارت میں اب صرف کھنڈروں کی چند چار دیواریوں کے سوا کچھ نہیں، کہیں ایک دو مسجد و نشان ہے کہیں ایک دو قبروں کا یا ادھر ادھر چند ٹوٹی چوٹی دیواریں ہیں، بہر حال اس کے گورنریاں میں صرف دو مسافروں کی قبریں ایسی نظر آئیں جن پر کتبہ تھا، ان میں سے ایک پر سعادت اللہ خان کا نام تھا، اور دوسری پر تلسان واقع شمالی افریقہ کے قاضی کا، اتحاد اسلامی کے اس عظیم الشان منظر پر ذرا عبرت کی نگاہ ڈالو کہ کمان شمالی افریقہ کا دور ترین شہر تلسان، اور کمان شمالی ہندوستان کی دور ترین آبادی، آرکٹ! اور پھر مسافروں کی اس

علیٰ شت نور دی کے ذوق و شوق کو دیکھو کہ وہ کبھی تلسانی سے چل کر آرکات کے گنڈاروں میں آکر
دم لیتے تھے، پرج ہے،

بیکجہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم بن آن روزے کہ خرمین داشتم

”سلیمان“

مقبرہ آرکات کا پہلا کتبہ

ابر رحمت سعادت اللہ خان آنکھ او ہڈ درین زمانہ ولی،
گفت سان وفات او ہاتف یافت جنت زبندگی علی
دوسرا کتبہ

رحلت قاضی شیخ محمد تلسانی

تلسانی کہ سینہ اش در علم ہنجو بحر محیط می زد جوش
علم او بود با عمل مقرون علمش با خلوص ہم آغوش
وا در یگانہ شد ز صرصر مرگ شمع جان منورش خاموش

خواستم سال رحلتش از عقل

رضی اللہ عنہ گفت سر و ش

سنہ ۱۲۵۰ھ

مطبوعات جدیدہ

صراطِ مستقیم، ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۲۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور کھائی چھپائی اور مطا درجہ قیمت ۵۰ روپے۔ ہند بک ایجنسی نمبر ۳۰ نو سو کھر روڈ کلکتہ،

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے سلسلہ تالیفات کو اردو میں منتقل کرنے کی جو مفید خدمت انجام دے رہے ہیں، اس سلسلہ کی جدید کڑی "صراطِ مستقیم" ہے۔ یہ شیخ الاسلام کی جلیل القدر کتاب "اقتصار الصراطِ المستقیم" کی جانبہ اصحاب الحجیم کا ایک ٹھس ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا موضوع اگرچہ کفار کے مذہبی تہواروں وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت کے عدم جواز کو دکھانا ہے، لیکن اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام نے اپنی تحریک رد بدعت کے مباحث بھی تفصیل درج کئے ہیں، جن میں تذر و نیاز، عرس، اور قبر پرستی وغیرہ پر اسلامی تعلیمات کے روسے روشنی ڈالی گئی ہے، مترجم نے ابتداء میں ایک دیباچہ اور بابا اپنے حواشی لکھ کر کتاب کو دور حاضر کی ضروریات کے مطابق بنا دیا ہے، لیکن اس موقع پر ہمیں افسوس ہے کہ اس کتاب پر بھی کتنا پڑتا ہے، کہ جس طرح دور حاضر میں علمائے سوا اور متصفین افراط و تفریط میں پڑ کر صراطِ مستقیم سے الگ ہو رہے ہیں، اسی طرح ہمارے دور حاضر کے مصلح کاران اُمت بھی جادہ اعتدال پر قائم نظر نہیں آتے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں مترجم کے دیباچے کے بعض اجزاء اور بعض حواشی سے اتفاق نہیں ہے،

موا عظ از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی، حجم ۱۶ صفحے تقطیع

چھوٹی، قیمت ۱۰ روپے۔ انجمن اسلامیہ جوچرہ لمہ محبوب نگر (دکن)

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے اپنے زمانہ قیام حیدرآباد میں بعض

اسلامی انجمنوں میں مواظبت بیان فرماتے تھے، انہی کے علاوہ رسالہ کی شکل میں "مواظبت" کے نام سے شائع کیے گئے۔

آداب والدین از جناب حاجی محمد غنیل صاحب انصاری مہتمم صدر دفتر ریاست جاوہر

ناشر انجمن فقیہ الاسلام گوڑگانڈہ پنجاب (ج ۲۴ صفحہ تقطیع مختصر لکھائی چھپائی ناظر)

انجمن فقیہ الاسلام گوڑگانڈہ پنجاب (ج ۲۴ صفحہ تقطیع مختصر رسالے شائع کر کے) ان کو مسلمانوں میں مفت تقسیم کرتی ہے، اس رسالہ میں مسلمانوں کو والدین کے حقوق بتائے گئے ہیں، حصولِ رزق بھیجنا انجمن سے مفت طلب کیا جاسکتا ہے۔

پنچ پرست ترجمہ مقالہ مرحوم سید جمال الدین افغانی از مولوی عبدالغفار صاحب ناشر منیر کتب خانہ

نصیفہ لاہور (ج ۲۴ صفحہ تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۶)

آج تیس چالیس برس پیشتر جب مسلمانان ہند کے خیالات، معتقدات اور تعلیمات میں اصلاح کا دُر جاری تھا، تجدید پسند جاعتوں کو "نیچریت" اور ان کے معتقدات کو "نیچریت" سے موسوم کرنے لگے تھے، لیکن جہاں ان الفاظ کا جاوید استعمال ہو رہا تھا، وہاں یہ بھی حقیقت تھی کہ ایک جماعت یورپ کی مادہ پرستی کی تقلید میں اپنے جادہ اعتدال پر قائم نہیں رہی تھی، اور یہ حالت نہ صرف ہندوستان بلکہ عام عالمِ اسلامی کی تھی، علامہ سید جمال الدین افغانی نے اسی مؤخر الذکر جماعت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور عالمِ اسلامی میں اپنی تحریک اصلاح و تجدید سے اس بے راہ روی کو روکا، پیش نظر رسالہ "نیچریت" انہی اصلاحی کوششوں کی ایک کڑی ہے اور سالہ میں اولاً عمدتاً قدیم سے مادہ پرستی کے ظہور و تراج کو دکھایا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں "مادہ پرستی کی ابتداء، اجتماع انسانی کے ضروریات سے "نیچریت" سے تمدن کی تباہی" بیان کی ہے، پھر مختلف ممالک یونان، فرانسیس، اور ترکی میں نیچریوں کی تباہ کاریاں دکھائی گئی ہیں، اور آخر میں "نیچریوں کے موجودہ فرقے کے زیر عنوان اپنے عہد کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے، دورِ حاضر میں جب کہ یہی نیچریت یورپ زدگی و مغرب پرستی کے رنگ میں نمایاں ہو رہی ہے، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کی عام طور پر اشاعت کی جائے،

حالات حضرت جان اللہ شاہ از مولوی محمد عبدالحق صاحب عندیلب

ج ۲۲ صفحہ کاغذ اور لکھا کی چھپائی ناقص قیمت درج نہیں ہے۔ دفتر رسالہ واعظ حیدر آباد، دکن
حضرت جان اللہ شاہ رحمہ اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ اپنے ہمدمین سلسلہ قادریہ کے بالکمال مشائخ میں تھے
مولوی عبدالوہاب صاحب عند لیب نے نواب صدرباز جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے ارشاد کے
مطابق کتاب مرآۃ الاحمال کے قلمی نسخہ سے موصوف کے حالات زندگی اخذ کر کے اردو میں مرتب کئے ہیں،
تاریخ امریکہ، از مولوی محمد کبھی صاحب تنہا لے ال ال بی، وکیل غازی آباد، حجم ۲۷، صفحہ ۷۰
کاغذ اور لکھا کی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۱۰۔ عارضہ ۱۰۔ منجر صاحب دارالانشاعت غازی آباد،

اردو میں امریکہ کی یہ پہلی مستقل تاریخ ہے، جو اولاً مسلسل رسالہ ان ظہر کنوین شائع ہوئی تھی، اور اب کتاب کی
شکل میں مطبع سے نکلی ہے، مصنف نے اس میں اس کو انگریزی کی مستند کتابوں سے مرتب کیا ہے، لیکن طرز اور
اور زبان میں تالیف کے بجائے ترجمہ کا رنگ زیادہ نمایاں ہے، کتاب میں ابواب میں تقسیم ہے، کتاب کی ابتداء ریاست
کننگڈان امریکہ سے ہوتی ہے، لیکن افسوس ہو کہ اس سلسلہ میں مرتب نے ایسی بہت سی جدید تحقیقات کو نظر انداز
کر دیا ہے جو امریکہ اور کولمبس سے پہلے کی کڑیاں ہیں اور جنہیں اب یورپ کے حلقوں میں مستند تسلیم کر لیا گیا ہے،
علاوہ ازیں کتاب کے تمام مباحث صرف وہاں کے جغرافی و سیاسی حالات پر مشتمل ہیں، ضرورت تھی کہ آخر کے چند
ابواب میں امریکہ کی تمدنی ترقیوں کا مرقع بھی کھینچا جاتا تاکہ امریکہ اپنے دریافت ہونے کے زمانہ میں جغرافی حیثیت سے
دنیا کی دیکھی کامرکز بنارہا، اور پھر اس کی آزادی کی جدوجہد کے دور میں اگر اس کو سیاسی اہمیت حاصل رہی، تو اس
کے موجودہ دور میں اس کی تمدنی ترقی اور اقتصادی مزاحمتی کو لوگ جائزہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں، تاہم ہندو
کی موجودہ سیاسی کشمکش کے دور میں ضرورت ہے کہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کہ اس وقت ہندو
کو امریکہ کے اسی سیاسی دور سے زیادہ گہری دلچسپی ہے،

منتخبات ہندی کلام، مرتبہ جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب پی ایچ ڈی، دہلی ڈیڑھ

استاذ معاشیات و عملیات جامعہ عثمانیہ، نامہ شروی حیدر آباد، چاند گھاٹ حیدر آباد، ج ۲۵، صفحہ ۲۵

تقطیع ۲۰، کاغذ نفیس، لکھائی چھپائی ناقص، قیمت مجلد عا

ڈاکٹر حفصہ صاحب، پی ایچ ڈی نے ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ میں روشناس کرنے کے لیے مختار ہندی کلام کے نام سے ہندی شاعری کا انتخاب شائع کیا ہے، مجموعہ کی ابتداء میں ایک بیضا مقدمہ ہے، حسین ہندی شاعری کی خصوصیات دکھائی ہیں، اور پھر اردو دان طبقہ کو اس کی طرف مائل کرنا چاہیے، اسی سلسلہ میں اردو میں ہندی پر جو کچھ لکھا گیا ہے مرتب نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے، یہ فہرست سرسری مطالعہ سے ناقص نظر آتی ہے، اور اس موضوع پر بعض اہم مضامین اور کتابیں جو اس سے پہلے نکل چکے ہیں، اس فہرست میں موجود نہیں ہیں، مجموعہ چند ابواب ہندی جذبات عالیہ، فلسفیانہ مسائل، عاشقانہ تخیلات، اور عشقیہ دوسے، پر مشتمل ہے، مرتب نے اولاً ایک ایک شعر یا ایک ایک دوہے کو اصل ہندی میں نقل کیا ہے، پھر اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا ہے، پھر مثل الفاظ کی تشریح کی ہے، پھر ترجمہ اور اس کے بعد شعر کی تشریح درج کی گئی ہے، یہی ترتیب اکثر جگہ نظر آتی ہے، لیکن کہیں صرف ترجمہ پر ادا کہیں صرف تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے، اکثر دوہے و کچپ ہیں، لیکن کہیں کہیں ان کی تشریح میں غیر ضروری تفصیل سے کام لیا گیا ہے، اور ہر دوہے پر ایک نئی تمیذا اٹھا کر اس میں ایک طویل عمرانی و معاشی و فلسفیانہ نوٹس کاغذیوں کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً ۵۵ تا ۶۰، ۶۲ تا ۶۴، ۶۵ تا ۷۰، اور ۷۱ تا ۷۲ وغیرہ، اگر دوہوں کے بارے میں مطلب خیر ترجمہ اور ضروری تشریح پر اکتفا کیا جاتا، تو اس مجموعہ میں زیادہ منتخب کلام نظر آتا، لیکن اسی کے ساتھ کہیں کہیں نہایت لطیف، و کچپ، اور پرکیت معنی آفرینان نظر آتی ہیں، اور معنی اور تشریح سے دو، کی لطافت میں اضافہ ہو جاتا ہے، بہر حال یہ مجموعہ، مجموعی حیثیت سے قابل قدر ہے، اور ضرورت ہے کہ اسی رنگ میں ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کیا جائے،

انتخاب حسرت، مرتبہ جناب علیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ، ناشر مکتبہ جامعہ علیہ

اسلامیہ قریل باغ دہلی، حجم ۵۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۷

سید اشعار فضل رحمن حسرت موہانی دور حاضر کے جدید طرز غزل گوئی کے بانی کسے جاتے ہیں، ان کا بڑا

سات آٹھ حصوں میں وقتاً فوقتاً شایع ہوتا رہا ہے، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی، بی اے علیگ نگر یہ کے مفتاح
ہیں، کہ ہشت نو فرسے انتخاب کر کے انتخاب حسرت کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تیار کیا ہے، مجموعہ کی ابتداء میں مرتب کا
ایک مقدمہ ہے، جس میں حسرت کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے،

کھیتی، از جناب محمد عجب صاحب بی اے (راکس) پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، حجم ۸، صفحہ ۱۰۰ قطع چھوٹی،

لکھائی چھاپی اچھی، قیمت ۶ روپے، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قول باغ دہلی،

”کھیتی“ ایک اجتماعی و اصلاحی ڈراما ہے، جس میں مسلمانوں کے دور حاضر کی اجتماعی زندگی دکھائی گئی، جو اول
بتایا گیا ہے کہ کس طرح شہر کے خود غرض لیڈر اپنے ذاتی نام و نمود اور مفاد و مقاصد کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے
درمیان فسادات کی تخم ریزی کرتے ہیں، اور شہر کے ناکارہ مسلمان ان کے ظلم کے نیچے آجاتے ہیں، اور قومی زندگی
کی عمارت کو مسمار کرتے ہیں، اور اس کے بالقابل اسی ڈرامے میں ایک گریجویٹ کی دوسری سیرت دکھائی گئی، جو
جو شہر کی مکدر فضا سے نکل کر دیہات کی پرسکون زندگی اختیار کرتا ہے، اور وہاں کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاتا ہے،
اور دیہات کی معاشرتی و اجتماعی اصلاح کرتا ہے، اور پھر شہر کی وہی ناکارہ جماعت جو وہاں کے لیڈروں کا آ
تھی، اسی دیہات میں پہنچ کر مفید تعمیری زندگی میں مصروف ہو جاتی ہے، ڈراما اپنے رنگ میں کامیاب، عام مسلمانوں
میں اس کی اشاعت کی ضرورت ہے،

اساس منطق، از مولوی سید ابوسعید عبدالقدوس صاحب بہاری، مدرس مدرسہ عالیہ مصباح العلوم

الآباد، حجم ۸، صفحہ ۱۰۰ قطع چھوٹی، کاغذ اوسط درجہ اور لکھائی چھاپی معمولی، قیمت ۶ روپے، جناب

سید رکن الدین عالم صاحب مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الآباد،

”اساس منطق“ میں منطق کے مسائل کو عام فہم زبان میں چھوٹے بچوں کے لیے مرتب کیا گیا ہے، طرز
بیان میں سلاست و روانی کی زیادہ ضرورت تھی، رسالہ کی ترتیب عام منطقی کتابوں کی ترتیب پر ہے، اصطلاحات
و مسائل کی تشریح میں مثالیں اور دو کی دی گئی ہیں، اور ہر بیان کے ختم پر مشقوں کے ذریعہ مسائل کے مختصر کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔ یہ رسالہ منطق کی ابتدائی کتاب بنایا گئی اور تہذیب وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کے لیے بطور کلید کام دے سکتا ہے،

بچوں کا قاعدہ، مؤلف مولوی سید فتحی احمد و مولوی ذہین صاحب، حجم ۲۲ صفحے، لکھائی

چھپائی، بچوں کے مناسب قیمت درج نہیں، ناشر مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن،

مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد نے یہ رسالہ بچوں کے لیے مرتب کرایا ہے، جو حروف تہجی سے شروع ہوتا ہے، اور جدید طریقہ تعلیم پر ترتیب پایا ہے، لیکن یہ رسالہ کی کوئی ایسی خصوصیت سمجھ میں نہیں آئی، کہ بچے بچوں میں سے خصوصیت کے ساتھ ”بچوں“ کی طرف منسوب کیا جائے،

مخزن ادب، مؤلف جناب ڈاکٹر حافظ محمد عبدالرشید صاحب ایس ایم اے ایل آئی جی، ناشرہ ایجوکیشنل

بک ہاؤس، سول لائن، علیگڑھ، حجم ۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت درج نہیں،

”مخزن ادب“ انگریزی اسکولوں کی ساتویں، ٹھوین جماعتوں کے معیار کے مطابق لکھی گئی ہے، رسالہ کی ترتیب نسبت زیادہ اہمیت خطوط نویسی کو دی گئی ہے، چنانچہ سب سے پہلا باب خطوط نویسی ہے، جہاں اولاً خط نویسی کے آداب بتائے گئے ہیں اور پھر مختلف خطوط بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں، اسکے بعد ایک مستقل باب خط شکست ”پیرے جہاں اس کے قواعد بتا کر رسم خط کے خطوط نقل کئے گئے ہیں، اس کے بعد ایک باب ”رقوم و دیگر مروجہ علامتیں“ ہے، اس میں ناپ اور تول اور ہندسہ کے اوزان و علامات درج کئے گئے ہیں، پھر ملک کے مشاہیر اور بکے خطوط نقل کئے گئے ہیں اور اس کے بعد اردو کے ممتاز بزرگ پائیل قلم کے مضامین کا انتخاب ہے، پھر حصہ نظم شروع ہے جس کے آغاز میں انسان کلام کا مختصر تعارف اور پھر شاعر کے کلام کا انتخاب درج ہے، اگر رسالہ کی ترتیب میں مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا،

صحیح، ماریٹ، ۱۹۲۲ء میں اردو رسالوں کے تبصرہ میں ایک رسالہ کا نام ”تیغ“

کے بجائے ”تبلیغ“ چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کر لیں،